بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزی رحمۃ اللہ علیہ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

نقوش اسلام

VOL.No.21	صفرالمظفر تا جمادی الاولیٰ ۱۴۴۸ھ - August to October 2026	Issue.(7,8,9)

مجلس سرپرستان

حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی
حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی
حضرت مولانا سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی
حضرت مولانا ظریف احمد قاسمی ندوی مدنی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمان فیضی ندوی — مولانا محمد اکرم ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی — مولانا محمد منذر ندوی
مولانا حسن مرچی — مولانا رشید احمد ندوی

مجلس ادارت

مفتی رحمت اللہ ندوی ❁ مولانا نواب عالم ندوی ❁

چیف ایڈیٹر

محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqusheislam@gmail.com
masoodazizi94@gmail,com
www. nuqusheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ.....۲۰/روپے
سالانہ.....۲۴۰/روپے
خصوصی.....۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 9719831058

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob.09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD MASOOD
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
امت کے طبقۂ خاص کا بگاڑ (ایک لمحۂ فکریہ)	محمد مسعود عزیزی ندوی	۶
تحقق وتوثیق		
سیرت نبوی میں تحقق وتوثیق کی کچھ جھلکیاں:	مولانا وقار عظیم ندوی	۸
جائزہ		
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور مصائب وآلام:	مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی	۱۶
اصلاح معاشرہ		
شک وشبہ (ایک تباہ کن سماجی بیماری):	مفتی رحمت اللہ ندوی	۱۹
دعوت عمل		
جنت میں داخلے کے لئے چار چیزیں:	محمد مسعود عزیزی ندوی	۲۴
حقائق		
چمکتی اسکرینیں اور دھندلاتے نقوش زندگی:	مولانا محمد محسن ندوی، رائے پوری	۲۷
فکروعمل		
دینی ادارے: روایت اور ضرورت:	مولانا نواب عالم ندوی، اجمیر	۳۰
حقیقت		
اردو: ایک زبان ایک تہذیب:	ڈاکٹر عبید الرحمن ندوی	۳۳
تجزیہ		
بٹ کوائن میں مصنوعی طور پر قیمت کیسے پیدا کی گئی؟	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۳۹
تاریخ		
مسلمانوں میں علوم وفنون سیکھنے کا رواج:	مولانا فہیم عبد الخالق ندوی	۴۲
سیرت وسوانح		
دو خوبیوں کی جامع ایک دل آویز شخصیت:	مولانا سید محمد ریاض ندوی کھجناوری	۴۵
فکرونظر		
انحصار سے خودمختاری کی طرف:	مولانا محمد وثیق ندوی	۴۵
تبصرہ		
مقالات ومشاہدات (ایک طالب علم کا مطالعہ):	عبداللہ بن محمد مسعود عزیزی ندوی	۴۸
مطبوعات		
مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی شائع شدہ کتابیں		

❑❑❑❑❑❑

'نقوش اسلام' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین (فل سائز)	۳۰۰۰
// // اول اندرونی // //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی // //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی (فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	۶۰۰
¼ صفحہ //	۴۰۰

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰/ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

امت کے طبقۂ خاص کا بگاڑ

ایک لمحۂ فکریہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

قوموں کے عروج وزوال کا تعلق صرف ان کے وسائل، تعداد اور ظاہری ترقی سے نہیں ہوتا، بلکہ ان کے کردار، فکر اور قیادت کے اخلاقی معیار سے بھی ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کے اہلِ علم، اصحابِ اقتدار، اہلِ ثروت، اساتذہ، دانش وراور اہلِ قلم اپنے منصب کو امانت، اپنی صلاحیت کو خدمت اور اپنے اثر ورسوخ کو رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو قومیں ترقی کرتی ہیں؛ لیکن جب یہی طبقہ دنیا طلبی، مفاد پرستی، نمود ونمائش، باہمی نزاع اور عملی کمزوری کا شکار ہوجائے تو اس کے اثرات پورے معاشرے پر پڑتے ہیں۔

امتِ مسلمہ کا ''طبقۂ خاص'' کسی ایک جماعت یا گروہ کا نام نہیں، بلکہ ہر وہ شخص اس میں شامل ہے جسے علم، دولت، منصب، شہرت، قیادت یا اثر ورسوخ حاصل ہے۔ عالم، خطیب، استاد، صاحبِ قلم، قائد، صاحبِ منصب اور صاحبِ ثروت سب اپنے اپنے دائرے میں ذمہ دار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار! تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم)

یہ حدیث ہمارے لیے ایک بنیادی اصول ہے کہ کوئی صاحبِ اثر شخص اپنی ذمہ داری سے مستثنیٰ نہیں۔ جسے اللہ نے جتنی صلاحیت اور اختیار دیا ہے، اس سے اتنی ہی جواب دہی بھی ہوگی۔

آج ہمارے معاشرے کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے بہت سی امانتوں کو اعزاز سمجھ لیا ہے۔ منصب خدمت کے بجائے مراعات کا ذریعہ بن جائے، علم عمل کے بجائے شہرت کا وسیلہ بن جائے، دولت ضرورت مندوں کی مدد کے بجائے تفاخر کا سامان بن جائے اور اثر ورسوخ حق کی حمایت کے بجائے ذاتی مفاد کے لیے استعمال ہونے لگے تو معاشرے کا اخلاقی توازن بگڑ جاتا ہے۔

قرآن مجید اہلِ ایمان کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ بہت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔'' (الصّف:2-3)

یہ آیت ہر صاحبِ اثر انسان کے لیے آئینہ ہے۔ علم اور عمل کا رشتہ کمزور ہوجائے تو الفاظ کی تاثیر بھی کم ہوجاتی ہے۔ انسان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کانوں تک پہنچتی ہے، مگر اس کا کردار دلوں تک پہنچتا ہے۔ اسی لیے ایک سچا کردار بہت سی تقریروں سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

خصوصاً اہلِ علم کی ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ عالم صرف معلومات کا حامل نہیں، بلکہ معاشرے کی فکری و اخلاقی رہنمائی کا امین بھی ہے۔ قرآن نے اہلِ علم سے یہ عہد لیا کہ وہ حق کو لوگوں کے سامنے واضح کریں اور اسے نہ چھپائیں۔ (آل عمران:187)

اس لیے اہلِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ حق بات کو حق ہونے کی وجہ سے کہیں، خواہ وہ ان کے موافق ہو یا مخالف۔ علمی اختلاف فطری ہے، مگر جب اختلاف تعصب اور عصبیت میں بدل جائے تو امت کی قوت کمزور ہونے لگتی ہے۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کہیں ہم نے اپنے اپنے حلقوں، جماعتوں اور شخصیات کو حق و باطل کا معیار تو نہیں بنا لیا؟ اپنے پسندیدہ شخص کی غلطی بھی درست اور مخالف کی درست بات بھی ناقابلِ قبول سمجھنا علمی دیانت کے خلاف ہے۔ احترام اپنی جگہ ضروری ہے، لیکن حق کسی شخصیت کا محتاج نہیں۔

طبقۂ خاص کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب دنیا کی محبت بھی ہے۔ قرآن فرماتا ہے: ''جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل، تماشا، زینت، باہمی تفاخر اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کا نام ہے۔'' (الحدید:20)

اسلام نے مال و دولت اور دنیاوی وسائل کو حرام نہیں کیا، لیکن ان کی محبت کو دل کا حاکم بننے سے ضرور روکا ہے۔ اہلِ ثروت کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ''اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔'' (الذاریات:19)

مال اگر اللہ کی نعمت سمجھ کر خرچ کیا جائے تو تعلیم، علاج، روزگار اور رفاہِ عامہ کا ذریعہ بنتا ہے؛ لیکن اگر دولت تکبر اور نمود و نمائش کا وسیلہ بن جائے تو یہی نعمت آزمائش بن جاتی ہے۔

اسی طرح اقتدار اور منصب بھی ایک عظیم امانت ہے۔ قرآن کا حکم ہے: ''عدل کرو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔'' (المائدہ:8)

صاحبِ اختیار کی اصل آزمائش یہ ہے کہ وہ اپنے اور پرائے، طاقت ور اور کمزور، پسندیدہ اور ناپسندیدہ سب کے ساتھ انصاف کر سکے۔ اسلامی تصورِ قیادت میں اقتدار دوسروں پر برتری کا نام نہیں بلکہ حقوق کی حفاظت اور ذمہ داری کی ادائیگی کا نام ہے۔

تاہم طبقۂ خاص کے بگاڑ کی ساری ذمہ داری خواص پر ڈال دینا بھی درست نہیں۔ عوام بھی کبھی شخصیت پرستی، خوشامد اور اندھی حمایت کے ذریعے اس بگاڑ کو تقویت دیتے ہیں۔ ہم بعض اوقات شخصیت کو اصول سے بڑا بنا دیتے ہیں اور تنقید کو دشمنی سمجھ لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ احتساب کمزور اور خوشامد مضبوط ہو جاتی ہے۔

اسلام ہمیں شخصیت پرستی نہیں، حق پرستی سکھاتا ہے۔ ہمیں اپنے بڑوں کا احترام ضرور کرنا چاہیے، لیکن ان کی غلطی کو غلط کہنے کا حوصلہ بھی رکھنا چاہیے۔ صالح معاشرہ وہ ہے جہاں محبت کے ساتھ نصیحت، احترام کے ساتھ احتساب اور اختلاف کے ساتھ انصاف موجود ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ اصلاح کہاں سے شروع ہو؟ قرآن مجید کا جواب ہے: ''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔'' (الرعد:11)

لہٰذا اصلاح کا آغاز دوسروں سے نہیں، اپنے آپ سے ہونا چاہیے۔ عالم اپنے علم اور اخلاص کا محاسبہ کرے، خطیب اپنے قول و عمل کا، صاحبِ منصب اپنے فیصلوں اور عدل کا، مال دار اپنے مال اور اس میں مستحقین کے حق کا، استاد اپنے کردار کا، صاحبِ قلم اپنے قلم کی دیانت کا اور عام مسلمان اپنے رویوں، ترجیحات اور حمایت کے معیار کا۔

ہمیں ایسے علماء چاہییں جن کے علم کے ساتھ خشیت ہو، ایسے قائد چاہییں جن کے اختیار کے ساتھ امانت ہو، ایسے مال دار چاہییں جن کی دولت کے ساتھ سخاوت ہو، ایسے اہلِ قلم چاہییں جن کے قلم کے ساتھ دیانت ہو اور ایسے عوام چاہییں جو شخصیتوں کے بجائے اصولوں سے وابستہ ہوں۔

قرآن نے فضیلت کا اصل معیار بھی واضح کر دیا: ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔'' (الحجرات:13)

پس آج ضرورت کسی فرد یا طبقے کو رسوا کرنے کی نہیں، بلکہ ضمیر کو جگانے کی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے پاس جو علم، مال، منصب اور اثر ہے، وہ ہماری ذات کی بڑائی کا ذریعہ ہے یا اللہ کی مخلوق کی خدمت کا وسیلہ۔

امت کا طبقۂ خاص دراصل پوری امت کا آئینہ ہے۔ اگر یہ آئینہ صاف ہوگا تو معاشرے کو اپنا چہرہ بھی صاف دکھائی دے گا۔ اگر علم کے ساتھ عمل، منصب کے ساتھ امانت، دولت کے ساتھ سخاوت، قیادت کے ساتھ عدل اور اختلاف کے ساتھ اخلاق پیدا ہو جائے تو اصلاح کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

آیئے! ہم دوسروں کے عیوب گنوانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکیں۔ اپنے علم کو عمل سے، اپنے منصب کو امانت سے، اپنے مال کو سخاوت سے اور اپنی زندگی کو تقویٰ سے آراستہ کریں۔ یہی قرآن کا پیغام، یہی سنت کی روح اور یہی امت کے حال و مستقبل کی بنیادی ضرورت ہے۔

قیامت کے دن اصل سوال یہ نہیں ہوگا کہ دنیا ہمیں کتنا بڑا سمجھتی تھی؛ اصل سوال یہ ہوگا کہ ہم اللہ کے نزدیک کتنے سچے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو پہچاننے، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنے اور اپنے علم، مال، منصب و صلاحیت کو دین و انسانیت کی حقیقی خدمت کا ذریعہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

تحقق وتوثیق

سیرت نبوی میں تحقق وتوثیق کی کچھ جھلکیاں

مولانا وقار عظیم ندوی

آپ اپنے بینک اکاؤنٹ سے کسی شخص کو ایک متعین رقم آنلائن بھیجنا چاہتے ہیں,۔ ایسی صورت میں، بینک رقم منتقل کرنے سے قبل آپ کو فوراً ''او ٹی پی (OTP)'' کوڈ بھیجتا ہے۔ اگر آپ وہ کوڈ سسٹم میں بروقت درست شکل میں داخل کرتے ہیں تو بینک کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آپ رقم منتقل کرنے والے حقیقی اکاؤنٹ ہولڈر ہیں۔ اس تیقن کے بعد مطلوبہ رقم ٹرانسفر کردی جاتی ہے۔ اس عمل کو تحقق یا توثیق (Verification) کہتے ہیں۔

جب احادیث کی تدوین شروع ہوئی تو ہر روایت کا رسول اکرم ﷺ کی طرف نسبت ثابت کرنے کی پختہ طور پر ضرورت پیش آئی۔ لہذا حدیث سے پہلے سند کی چھان پھٹک کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سند راویوں کے معتبر تسلسل کا نام ہے۔ ایک ایک فرد کی پرکھ کی جانے لگی۔ ایک طرف روایت کی درجہ بندی کے ضابطے وضع کیے جانے لگے تو دوسری طرف افراد کی درجہ بندی کی تدوین کی جانے لگی۔ نتیجہ کار یہ رہا کہ علم حدیث کے دو شاندار خادم فن، مصطلح الحدیث اور أسماء الرجال وجود میں آگئے ..... یہ سب کچھ کیوں پیش آیا؟ یہ اس لیے ہوا کہ ہر روایت حدیث اور اس کے اجزاء کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کی صحت کا تحقق کیا جاسکے۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱) نے فرمایا تھا، "لَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ" یعنی اگر سند نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا وہ کہتا۔ اسی کو تحقق یا توثیق کرنا کہتے ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ انسان کامل کا نمونہ تھی۔ آپ ﷺ نے انسانی معاشرے کے ہر میدان کے لیے اسوہ چھوڑا ہے۔ حدیث وسیرت کی کتابوں میں تحقق یا توثیق کرنے کی متعدد دلچسپ مثالیں موجود ہیں۔ کچھ مثالیں عسکری اور کچھ غیر عسکری پس منظر میں ہیں۔ اس حقیقت کو سیرت نبوی کے چند واقعات سے سمجھتے ہیں۔

الف: تحقق، غیر عسکری پس منظر میں:

(۱) رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں کسی باغ کی چہار دیواری میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام کو کافی وقت گزرنے پر تشویش ہوئی۔ حضرت ابوہریرہؓ کسی طرح اندر پہونچے۔ آپ ﷺ کو ان کی فکرمندی سے یقیناً مسرت ہوئی ہوگی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر فرمایا کہ جاؤ، جو شخص دل کے یقین کے ساتھ لا إله إلا الله کی شہادت دے اُسے جنت کی بشارت دے دو۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ آپ ﷺ نے ابوہریرہؓ کو نعلین مبارک کیوں دئے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ جس شخص کو بھی خوش خبری پہونچائی جائے اس کے لیے نعلین مبارک کو دیکھ یہ باور کرنا آسان ہوجائے کہ حضرت ابوھریرہ سچ کہہ رہے ہیں۔ جھٹلانے کا امکان نہ رہے۔ (روایت صحیح مسلم)

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ خیبر جارہے تھے۔ چنانچہ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا: ''میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میرے وکیل کے پاس پہنچو تو اس سے پندرہ وَسق (غلہ) لے لینا۔ اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو اپنا ہاتھ اس کی ہنسلی (ترقوہ) پر رکھ دینا۔'' (روایت سنن ابی داؤد)

اس روایت میں بطور علامت ہنسلی پر ہاتھ رکھنے کا ذکر آیا ہے۔ اس عمل کا علم صرف رسول اکرم ﷺ کو تھا یا خیبر کے یہودی کو۔ آپ ﷺ نے اس علامت کو صرف جابر بن عبداللہ کو بتایا۔ ظاہر ہے یہ علامت اس یقین دہانی کے لیے تھی کہ کارندہ سچا ہے۔

ب: تحقق، عسکری پس منظر میں:

معاصر عسکری اور نیم عسکری کیمپوں میں دوست اور دشمن عنصر کی تمیز کے لیے پاسورڈ یا پاسکوڈ استعمال کرنے کا رواج معروف ہے۔ پاسورڈ یا پاسکوڈ وہ خفیہ لفظ یا رمز عبور ہوتا ہے جس سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ آنے والا شخص دوست عنصر ہے یا دشمن۔ بطور مثال کسی اسکاؤٹس کیمپ میں سرشام سب کو یہ بتایا جائے کہ اس متعین شب کے لیے پاسورڈ ''گلاب'' طے کیا گیا ہے۔ اب دو بجے رات کو کوئی شخص کیمپ میں داخل ہونا چاہے تو حراست پر گھومتا ہوا جوان نو وارد سے پاسورڈ بتانے کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ ''گلاب'' بولتا ہے تو اسے کیمپ میں اندر آنے کی اجازت دی جائے گی ورنہ حسب نظام و پالیسی اسے لوٹایا یا گرفتار کیا جائے گا۔ عسکری یا نیم عسکری تربیات میں پاسورڈ سمجھنے کی یہ ایک سادہ مثال ہے۔

(۱) غزوۂ بدر میں صحابہ کرامؓ کا شعار یعنی پاسورڈ ''احد، أحد'' تھا اور رسول اللہ ﷺ کا شعار ''یا منصور أمت'' (ابن ھشام)۔

(۲) غزوۂ خندق (احزاب) میں مسلمانوں کا شعار ''حم، لاَیُنصَرُون'' تھا

(۳) حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں سریہ نجد میں شعار ''أَمِتْ أَمِتْ'' تھا۔

''أَمِتْ أَمِت'' شعار متعدد دیگر غزوات و سرایا میں بھی اختیار کیا گیا تھا۔ اس طرح کے شعار یا پاسورڈ دوران معرکہ یا انجان عنصر کو رات کی تاریکی میں شناخت کے لیے اختیار کیا جاتا تھا۔ ''أمت'' دعائیہ عبارت کا اختصار ہے یعنی ''یارب، أمت العدو'' یعنی یا اللہ، دشمن کا خاتمہ فرما۔

عربی، اردو اور انگریزی میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر فوجی نقطہ نظر سے کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جن کے مؤلفین کا پیشہ ورانہ عسکری پس منظر رہا ہے۔ ان حضرات نے غزوات میں شعار یا پاسورڈ کے فنی استعمال پر روشنی ڈالی ہے۔

ان میں نمایاں نام: لواء رکن/محمود شیث خطاب، مؤلف الرسول القائد" اور مولانا سید عبدالرحمٰن کیلانیؒ مؤلف "رسول اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار" کا ہے۔

عہد نبوی میں کسی غیر معروف عنصر کی سنگین اور عجلت طلب صورت حال میں شناخت کے لیے جس طرح شعار یا پاسورڈ کا استعمال کیا گیا وہ طریقہ آج کی معاصر دنیا میں مزید پختہ ہو چکا ہے۔

اب پاسورڈ کا استعمال عسکری یا نیم عسکری جہات میں منحصر نہیں رہ گیا ہے بلکہ زندگی کے مختلف میدانوں میں اس کا استعمال عام ہو گیا ہے۔ پاسورڈ اور پاسکوڈ بنانا (رمز نگاری) اور استعمال کرنا ایک فن بن چکا ہے۔ الیکٹرانک تراسل، مالی معاملات اور امن و سلامتی کے میدانوں میں پاسورڈ کا بے تحاشا استعمال ہو رہا ہے۔ {بقیہ صفحہ ۱۵ پر}۔۔۔۔۔

جائزہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی مکی زندگی اور مصائب وآلام

مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی، زامبیا افریقہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو 40/سال کی عمر میں نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا۔ نبوت سے نوازے جانے کے بعد، آپؐ 13/سالوں تک مکّہ مکرمہ میں رہے۔ یہ زمانہ آپؐ کی مکی زندگی کہلاتا ہے۔ آپؐ نے مکی زندگی میں، تین سالوں تک خفیہ طور پر، اپنے قریبی لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ پھر آپؐ نے دس سال تک، کھلم کھلا اشاعتِ اسلام کا کام کیا۔ اس کے بعد آپؐ یثرب ہجرت کر گئے۔ اشاعتِ اسلام کی وجہ سے کفارِ مکہ آپؐ کے جانی دشمن ہوگئے۔ جوں جوں لوگ آپؐ کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کرتے رہے اور اسلام کی شعائیں پھیلتی رہی، کفار ومشرکین کے غیض وغضب میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ مسلمان جو کچھ حیثیت رکھتے تھے یا ان کا کوئی حامی ومددگار تھا، ان پر کفار ومشرکین اپنے غصے اور ظلم وجور کا اظہار کرنے سے قاصر وعاجز تھے، مگر جو مسلمان غریب ونادار تھے، ان کا کوئی حامی ومددگار نہ تھا اور نہ وہ خود کوئی خاندانی وقبائلی حیثیت رکھتے تھے، ان پر کفار ومشرکین نے ظلم وستم کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ کفار نے ان کو طرح طرح سے پریشان کیا اور ستایا؛ مگر ان کے ایمان میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا۔ نبی اکرمؐ کے دادا، پھر چچا ابوطالب قریش کی نظر میں بڑے شرف واعزاز کے مالک تھے اور آپؐ کی خاندانی اور قبائلی وجاہت واہمیت بھی سب کے نزدیک مسلم تھی؛ اس لیے آپؐ پر حملہ آور ہونا، ایک بڑی جنگ کو دعوت دینا تھا؛ اس لیے کچھ لوگ آپؐ کو گزند پہونچانے سے گریز کرتے تھے؛ مگر اس کے باوجود بھی بہت سے حرماں نصیبوں نے نبی اکرمؐ کو طرح طرح سے ستایا اور آپؐ کو مختلف مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا۔ ذیل میں آپؐ کو مکی زندگی میں پیش آنے والے مصائب وآلام میں سے چند پر ہم نظر ڈالتے ہیں۔

ساحر وکاہن:

جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان نہیں کیا تھا، اس وقت آپؐ مکّہ میں ایک عقل مند ودانشور، امین وصادق اور اچھے انسان سے جانے جاتے تھے۔ جب آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا؛ تو لوگوں نے آپؐ کو جادوگر اور کاہن وساحر جیسے معیوب لقب سے مشہور کرنے کی کوشش کی؛ تاکہ لوگ آپؐ کے قریب نہ آئیں اور آپؐ کی باتیں نہ سنیں۔ مگر اللہ نے جن کے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، ان حضرات کو اس کا کوئی اثر نہیں ہوا؛ بل کہ تکلیف ومشقت برداشت کرکے، آپؐ کے پاس تشریف لاتے تھے اور جلوۂ انوار ربّانی سے اپنے قلوب کو منور کرکے جاتے تھے۔

کفار ومشرکین جب نبی اکرمؐ کے کسی معجزہ کا مشاہدہ کرتے؛ تو اسے قبول کرنے کے بجائے یہ کہتے کہ یہ ایک جادو ہے جو ابھی ختم ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ"۔ (سورہ قمر:2)

ترجمہ: اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں؛ تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔ یعنی یہ جادو کا اثر ہے جو دیر تک نہیں چلا کرتا، خود ہی گزر جائے گا اور ختم ہوجائے گا۔ (معارف القرآن 8/227)

ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

"وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ"۔ (سورہ ص:4)

ترجمہ: اور ان کفار (قریش) نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے (یعنی جو ان کی طرح بشر ہے) ایک (پیغمبر) ڈرانے والا آ گیا (تعجب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی جہالت سے بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے) اور (اس انکار رسالت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ آپ کے معجزات اور دعوی نبوت کے بارے میں) کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص (خوارق عادت کے معاملہ میں) ساحر اور (دعوی نبوت کے معاملے میں) کذّاب ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے بھائی انیس کی زیارتِ مکہ اور اللہ کے رسولؐ سے ملاقات کی کہانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے اس (انیس) سے پوچھا: تم نے (مکہ میں) کیا کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے مکہ میں ایک ایسے شخص (محمدؐ) سے ملاقات کی جو تمہارے دین پر ہے۔ اسے (اس بات کا) یقین ہے کہ اللہ نے اسے (رسول بنا کر) بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا: ان کے بارے میں لوگوں کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ (وہ) شاعر، کاہن اور ساحر ہے؛ جب کہ انیس (خود) ایک شاعر تھے۔ انیس نے کہا میں نے کاہنوں کی بات سنی ہے، مگر (اس کا) کلام کاہنوں کی بات (جیسا) نہیں ہے۔ میں نے ان کے کلام کو شعر کے بحروں پر پرکھا، تو وہ کسی کی زبان پر میرے بعد نہیں جڑے گا شعر کی طرح۔ خدا کی قسم وہ سچا ہے اور لوگ جھوٹے ہیں۔ (مسلم شریف، حدیث:2473)

مجنون ودیوانہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا قابل ولائق انسان، جس نے کبھی کسی غیر مناسب کام کا ارتکاب نہیں کیا، لوگوں کے ساتھ شب وشتم سے بات نہیں کی اور کسی بڑے اور چھوٹے کے احترام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ مگر اعلان نبوت کے بعد، کفار نے انھیں مجنون ودیوانہ کہنا شروع کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اس عظیم معلمِ انسانیت، رہبرِ رشد وہدایت اور عقل ودانش کے مینار کو مجنون ودیوانہ کہا وہ خود مجنون، پاگل، دیوانے، معاند ومتعصب اور سرکش وہٹ دھرم تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے فرمایا:

أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى، وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ، ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ، وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ. (سورہ دخان:12-14)

ترجمہ: ان کو (اس سے) کب نصیحت ہوتی ہے (جس سے ان کے ایمان کی توقع کی جاوے)؛ حال آں کہ (اس سے قبل) ان کے پاس ظاہر شان کا پیغمبر آیا۔ پھر بھی یہ لوگ ان سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ کسی دوسرے بشر کا سکھایا ہوا ہے (اور) دیوانہ ہے۔ (معارف القرآن، ج:7، ص:759)

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ.

(سورہ حجر: 6) اور ان کفار (مکہ) نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے یوں کہا کہ اے وہ شخص جس پر (اس کے دعوے کے مطابق) قرآن نازل کیا گیا ہے، تم (نعوذ باللہ) مجنوں ہو (اور نبوت کا غلط دعویٰ کرتے ہو)۔

روایت میں ہے کہ ضماد (رضی اللہ عنہ) مکّہ مکرمہ آئے، ان کا تعلق (قبیلہ) ازدشنوءہ سے تھا۔ وہ جنوں اور آسیب وغیرہ کا جھاڑ پھونک کرتے تھے۔ انھوں نے مکہ کے چند بیوقوفوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمدؐ مجنون ہیں۔ تو انھوں نے کہا کہ میں اس شخص کو دیکھوں، شاید اللہ ان کو میرے ہاتھ سے شفا عطا فرمائے! وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ان سے ملاقات کی اور کہا: اے محمدؐ! میں جنون کو جھاڑتا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے جس کو چاہتا ہے شفا دیتا ہے۔ تو کیا آپؐ کی خواہش ہے (کہ آپ جھڑوائیں)؟ پھر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہے۔ ہم اسی ذات کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی ساجھی نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اب حمد و شہادتین کے بعد، جو چاہو کہو! وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ آپؐ اپنے ان کلمات کو پھر سے کہیں! چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو تین بار ان کے سامنے دہرایا۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے اقوال اور شعرا کے اشعار سنے ہیں؛ مگر میں نے آپؐ کے ان کلمات کے مثل نہیں سنا۔ یہ کلمات تو دریائے بلاغت کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر ضماد نے کہا: اپنا ہاتھ لائیے میں اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ پھر انھوں نے بیعت کی۔ پھر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: اور میں تمہاری قوم کی بھی بیعت لیتا ہوں۔ انھوں نے کہا: (ہاں) میری قوم کی طرف سے (بھی)۔ (مسلم شریف، حدیث:868)

بازار ذوالمجاز میں آپؐ پر ابولہب کی سنگ باری:

طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ کے رسولؐ کو بازار ''ذی المجاز'' میں دیکھا؛ جب کہ میں خرید و فروخت میں مشغول تھا۔ آپؐ سرخ جبہ زیب تن کیے ہوئے تھے اور بلند آواز سے یہ فرماتے جاتے تھے: ''اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے۔ ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا تھا، جس سے آپ کی پنڈلی اور ایڑی خون آلود ہوگئے۔ وہ شخص ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا تھا: ''اے لوگو! اس کی بات نہ سننا یہ جھوٹا ہے''۔ محاربی فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ شخص (آپؐ) کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ لڑکا بنی عبد المطلب سے ہے۔ (پھر) میں نے پوچھا: وہ شخص کون ہے جو اس کا پیچھا کر رہا ہے اور پتھر مار رہا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یہ آپؐ کا چچا عبد العزیٰ یعنی ابولہب ہے۔ (مصنف ابن أبی شیبہ، حدیث:36565)

بازار ذوالمجاز میں آپؐ پر ابوجہل کا مٹی پھینکنا:

بنو مالک بن کنانہ کے ایک شیخ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے رسولؐ کو بازار ''ذی المجاز'' میں دیکھا کہ یہ فرماتے تھے: ''اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے''۔ راوی فرماتے ہیں کہ ابوجہل آپؐ پر مٹی پھینکتا تھا اور یہ کہتا تھا: اے لوگو! خیال رکھنا یہ شخص تم کو تمھارے دین کے حوالے سے دھوکہ نہ دیدے؛ کیونکہ اس کا

ارادہ ہے کہ تم لات وعزی کو چھوڑ دو! جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہیں فرماتے تھے۔ (مسند احمد، حدیث:16603)

اونٹ کی اوجھڑی آپؐ کی پشت پر:

ایک دفعہ نبی کریمؐ کعبہ شریف کے پاس نماز ادا کررہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی (وہاں) بیٹھے تھے۔ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلے کی اونٹنی کی اوجھڑی لائے اور جب محمدؐ سجدے میں جائیں؛ تو وہ اسے اس کی پشت پر رکھ دے؟ عقبہ بن ابی معیط جو نہایت ہی بدبخت، شقی القلب اور ملعون تھا، وہاں سے اٹھا اور اوجھڑی لے کر آیا۔ پھر وہ آپؐ کے سجدہ کرنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب آپؐ نے سجدہ کے لیے اپنے چہرہ مبارک کو زمین بوس کیا؛ تو اس نالائق نے اس اوجھڑی کو آپؐ کے پیٹھ پر کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ آپؐ اس کے بوجھ کی وجہ سے اٹھ نہیں پارہے تھے۔ سجدہ کی ہی حالت میں پریشان تھے۔ دوسری طرف ابو جہل اور اس کے بے غیرت ساتھی سب کے سب ہنسنے اور ٹھٹھا مارنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، مگر اپنی کمزوری وضعف اور ان ظالموں کے خوف سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے سے عاجز تھے۔ پھر آپؐ کی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئی اور اوجھڑی کو آپؐ کے پشت مبارک سے ہٹایا۔ (صحیح بخاری، حدیث: 240/3185/3854)

سودے بازی کی کوشش:

کفار قریش نے محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لیے سودے بازی کی بھی کوشش کی۔ کفار نے چاہا کہ عمارہ بن ولید کو ابوطالب کے سپرد کردیں اور اس کے عوض، ابوطالب محمدؐ کو ان کے حوالے کردیں، تاکہ وہ آپؐ کو قتل کردیں؛ چناں چہ کفار قریش نے ابوطالب کی خدمت میں عرض کیا:

اے ابوطالب! یہ (عمارہ) قریش کا سب سے بانکا اور خوب صورت نوجوان ہے۔ آپ اسے لے لیں۔ اس کی دیت اور نصرت کے آپ حق دار ہوں گے۔ آپ اسے اپنا لڑکا بنالیں۔ یہ آپ کا ہوگا اور اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کردیں، جس نے آپ کے آباء واجداد کے دین کی مخالفت کی ہے، آپ کی قوم کا شیرازہ منتشر کررکھا ہے اور ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار بتلاتا ہے۔ ہم اسے قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا حساب ہے۔ ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم! کتنا برا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کررہے ہو! تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں، پالوں پوسوں اور میرا بیٹا مجھ سے طلب کرتے ہو کہ اسے قتل کردو۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا۔ (الرحیق المختوم، ص:140)

ابوجہل کا آپؐ کے قتل کا ارادہ:

ایک دن ابوجہل نے قریشیوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ محمدؐ ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے۔ ہمارے آباء واجداد اور معبودوں کی توہین کرتا ہے؛ اس لیے میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کل ایک بھاری پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ سجدہ کرے گا تو اسی پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا، جب صبح ہوئی تو وہ ویسا ہی پتھر جیسا کہ اس نے بیان کیا تھا، لے کر انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے جیسا کہ آیا کرتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوگئے جیسے ہی آپؐ سجدے میں گئے، ابوجہل پتھر اٹھا کر، آپؐ کی طرف بڑھا۔ جب وہ آپؐ کے قریب ہوا؛ تو شکست خوردہ حالت میں لوٹا، اس کا رنگ فق تھا اور وہ ایسا مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ، اس

کے پتھر سے چپک گئے تھے کہ وہ بمشکل اپنے ہاتھ سے پتھر پھیک سکا۔

قریش کے کچھ لوگ اس کے پاس آئے اور پوچھنے لگے: اے ابوجہل! تمھیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے گزشتہ رات جو بات کہی تھی، وہی کرنے کے لیے کھڑا ہوا تھا؛ جب میں ان کے قریب پہنچا؛ تو ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ خدا کی قسم! میں نے کبھی بھی کسی اونٹ کی کھوپڑی، گردن اور دانت اس اونٹ کے طرح نہیں دیکھے، وہ مجھے کھانا چاہ رہا تھا۔ (سیرت ابن ہشام 1/ 298-299)

گردن مبارک میں کپڑے کا پھندا:

مکہ کے کفار ومشرکین آپؐ کو آرام سے نماز بھی ادا نہیں کردینے دیتے تھے۔ آپؐ نماز میں ہوتے تو کبھی وہ آپؐ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالتے، تو کبھی آپؐ کی مبارک گردن میں کپڑا کا پھندا لگاتے۔ بخاری شریف میں ایک روایت ہے:

حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے (عبداللہ) ابن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: مجھے اس سخت ترین تکلیف سے باخبر کیجیے جس سے مشرکین نے آپؐ کو دوچار کیا۔ انھوں نے فرمایا: ایک بار نبی حطیم میں نماز ادا کررہے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپؐ کی گردن میں اپنا کپڑا ڈال دیا۔ پھر اس نے سخت طریقے سے آپؐ کا گلا گھونٹا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے عقبہ کا مونڈھا پکڑا اور اس کو نبیؐ سے ہٹایا اور فرمایا: کیا تم مار ڈالو گے ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ (سورہ غافر:28) (صحیح بخاری، حدیث:3856)

سر اور ڈاڑھی کے بال کھینچنا:

مشرکوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کے اتنے زور سے کھینچے کہ آپؐ کے اکثر بال اکھڑ گئے۔ (سیرت حلبیہ اردو، ج:اول نصف آخر:276)

آپؐ کی بیٹیوں کو طلاق:

نبی اکرمؐ کی دو صاحبزادیاں: حضرت امّ کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہما کا نکاح، دشمنِ اسلام، ابولہب کے دو لڑکے: عتیبہ اور عتبہ سے ہو چکا تھا۔ لیکن یہ نکاح صرف نکاح ہی تھا۔ ابھی رخصتی باقی تھی۔ سورۃ لہب کے نزول کے بعد، آپؐ کو بے عزت کرنے کی نیت سے، ابولہب اور اس کی بیوی نے اپنے لڑکوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آپؐ کی صاحبزادیوں کو طلاق دیدے؛ چناں چہ انھوں نے ان کو طلاق دیدی۔

امام طبرانی قتادہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی عتیبہ بن ابی لہب کے ساتھ ہوئی تھی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی، اس کے بھائی عتبہ بن ابی لہب کے ساتھ ہوئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے "تبت يدا أبي لَهب" (سورہ لہب) نازل فرمائی؛ تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں: عتیبہ اور عتبہ کو کہا: اگر تم نے محمدؐ کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی؛ تو تم دونوں کے سر کے لیے میرا سر حرام ہے۔ ان دونوں کی ماں: بنت حرب بن امیہ نے کہا: یہی ایندھن اٹھانے والی ہے کہ تم دونوں انھیں طلاق دے دو؛ کیوں کہ وہ دونوں صابی (اپنا دین بدلے ہوئے) ہیں؛ چناں چہ ان دونوں نے انھیں طلاق دے دی۔ (تفسیر درّ منثور 8/ 667)

طلاق کا عمل جیسا کہ آج کے کچھ شریف گھرانوں میں، بڑی بے عزتی کی بات سمجھا جاتا ہے، اسی طرح اس وقت بھی عرب سماج کے شریف گھرانوں میں، طلاق کو بے عزتی سمجھا جاتا تھا۔ پھر ایک ایسے باپ کے لیے جو شرافت کا اعلیٰ نمونہ ہو اور اس

کی دولڑکیوں کو بیک وقت طلاق ہوجانا اور وہ بھی ایک ایسے وقت میں؛ جب کہ وہ باپ ہر طرف سے مصائب وآلام جھیل رہا ہو؛ تو کتنے تکلیف کا باعث ہوسکتا ہے، اسے بیان کرنا مشکل ہے۔

تین سالہ معاشرتی بائیکاٹ:

کفار قریش نے مل جل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ: اس نے ہماری اولاد اور ہماری عورتوں تک کو ہم سے برگشتہ کردیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے آپؐ کے خاندان والوں سے کہا: تم ہم سے دوگنا خون بہالے لو اور اس کی اجازت دے دو کہ قریش کا کوئی شخص اس کو قتل کردے؛ تاکہ ہمیں سکون مل جائے اور تمھیں فائدہ پہنچ جائے۔ جب کفار قریش کی یہ تجویز منظور نہیں ہوئی؛ اس پر انھوں نے غصہ میں آکر یہ طے کیا کہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب، جو نبی اکرمؐ کے مددگار تھے، ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے اور انھیں مکے سے نکال کر، شعب ابوطالب نامی گھاٹی میں محصور اور مقید کردیا جائے۔

ایک روایت کے مطابق یہ بھی طے پایا کہ: نہ بنی ہاشم کی لڑکیوں کو بیاہ کر لاؤ اور نہ اپنی لڑکیوں کی ان کے یہاں شادی کرو، نہ ان کو کوئی چیز فروخت کرو اور نہ ان سے کوئی چیز خریدو اور نہ ان کی طرف سے کوئی صلح قبول کرو۔ چناں چہ جب بھی مکے میں باہر سے کوئی قافلہ آتا؛ تو یہ مجبور اور بے کس لوگ فوراً ان کے پاس پہنچتے؛ تاکہ ان سے کھانے پینے کا کچھ سامان خرید لیں۔ مگر جب بھی ایسا ہوتا تو فوراً وہاں ابولہب پہنچ جاتا اور کہتا کہ دام اتنے بڑھادو کہ وہ تم سے کچھ نہ خرید سکیں۔ پھر تاجر کی طرف سے ایسا ہی ہوتا؛ لہذا لوگ مایوس ہوکر، اپنے بچوں کے پاس واپس آجاتے، جو بھوک سے بیتاب تڑپتے اور بلکتے ہوتے تھے اور ان کو خالی ہاتھ دیکھ کر، وہ بچے سسک سسک کر رونے لگتے تھے۔

اس گھاٹی میں مسلمانوں نے بڑا سخت وقت گزارا۔ قریش کے بائیکاٹ کی وجہ سے ان کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، لوگ بھوک سے بے حال ہوگئے؛ یہاں تک کہ گھاس پھونس اور درختوں کے پتے اور چمڑے کھا کھا کر گزارہ کرنے لگے۔ یہ سلسلہ مستقل تین سالوں تک جاری رہا۔ (تلخیص از: سیرت حلبیہ اردو، ج:1 نصف آخر، ص:393-394)

اہل طائف کا ظلم وستم:

ابوطالب کی وفات کے بعد، نبی اکرمؐ نے شوال، سن دس نبوی میں، اپنے آزاد کردہ غلام: زید بن حارثہ کی معیت میں، ثقیف سے مدد کی التماس کے لیے طائف کا (پیدل) سفر کیا۔ امید تھی کہ اللہ کے جس پیغام کے ساتھ آپؐ ان کے پاس آئے ہیں، اہل طائف اسے قبول کریں گے۔ جب طائف پہنچے؛ تو ثقیف کے تین سرداران: عبید یالیل، مسعود اور حبیب سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ یہ تینوں آپس میں بھائی تھے۔ آپؐ ان کے پاس بیٹھے اور اسلام کے لیے مدد کرنے اور آپؐ کی قوم میں سے جو آپؐ کی مخالفت کرے، اس کے خلاف خود کی مدد کرنے کے حوالے سے گفتگو کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر، سرداران ثقیف نے نہایت ہی غیر سنجیدہ جوابات دیے۔ ایک نے کہا: "وہ کعبہ کا غلاف پھاڑے گا، اگر اللہ نے تمھیں رسول بنایا ہو (اگر تم نبی ہو؛ تو اللہ مجھے غارت کرے) دوسرے نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کو تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں ملا جسے وہ بھیجے؟ تیسرے نے کہا: بخدا، میں تم سے کبھی بات نہیں کرسکتا۔ اگر تم سچ مچ اللہ کے نبی ہو جیسا کہ تم کہتے ہو؛ تو تمہاری بات میرے لیے رد کرنا انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو؛ تو پھر مجھے تم سے بات نہیں کرنی چاہیے۔ ثقیف سے ناامید ہوکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کھڑے ہوئے اور ان سے کہا: تم

لوگوں نے جو کچھ کیا کیا، بہر حال اسے خفیہ ہی رکھنا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا؛ تو ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور اوباشوں کو شہہ دیدی۔ انھوں نے آپؐ کو گالیاں دی، تالیاں بجائی اور شور مچایا؛ تا آں کہ لوگوں کی بھیڑ جمع ہوگئی۔ آپؐ کے راستے کے دونوں کنارے، لوگوں کی لائن لگ گئی۔ وہاں سے گزرتے وقت، جوں ہی اللہ کے رسولؐ ایک قدم اٹھاتے کہ وہ آپؐ کے قدموں پر پتھر مارتے؛ تا آں کہ آپؐ کے گھٹنے چور ہوگئے، پنڈلیاں گھائل ہوگئیں اور جوتے خون آلود ہوگئے۔ جب آپؐ کو پتھر لگتا؛ تو آپؐ زمین پر بیٹھ جاتے۔ وہ اوباش اور حرمان نصیب آپؐ کے بازو پکڑ کر اٹھاتے اور جب چلنا شروع کرتے؛ تو وہ پتھر مارتے اور ہنستے۔ زید بن حارثہؓ آپؐ کو خود ڈھال بن کر بچاتے تھے؛ تا آں کہ ان کا سر بھی زخمی ہوگیا۔ (عیون الاثر 1/155-156)

آپؐ کسی طرح ابنائے ربیعہ کے باغ میں پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد، وہاں سے رخصت ہوئے۔ پھر آگے کیا ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان میں ہی ملاحظہ فرمائیے: میں غم سے نڈھال اپنے رخ پر چل پڑا اور مجھے قرن ثعالب میں ہی پہنچ کر افاقہ ہوا۔ جب میں نے اپنا سر اٹھایا؛ تو اچانک دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا میرے اوپر سایہ فگن ہے۔ جب میں نے اس میں دیکھا؛ تو حضرت جبرئیل موجود تھے۔ انھوں نے مجھے پکار کر کہا: آپ کی قوم نے آپ سے جو بات کہی، اسے اللہ نے سن لیا۔ اب اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے؛ تا کہ آپ ان کے بارے میں جو حکم چاہیں اس فرشتہ کو دیں! پھر پہاڑ کے فرشتے نے مجھے آواز دی، سلام کیا پھر کہا: اے محمدؐ! ان کے حوالے سے آپ جو چاہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ میں ان کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں؟ (تو یہی ہوگا)۔ نبی کریمؐ نے جواب دیا: (نہیں) بل کہ مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسی نسل پیدا کریں گے، جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔ (بخاری شریف، حدیث: 3231)

دارالندوہ میں قتل کا منصوبہ اور ہجرت کا حکم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ میں ظلم و جور کی چکی میں اس طرح پستے دیکھ رہے تھے جو ناقابل برداشت تھا؛ لہذا ان کو مدینہ منورہ ہجرت کی اجازت دیدی، سوائے رفیق غار ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ ابوطالب جیسے حامی و مددگار بھی وفات پا چکے تھے۔ اب قریش شدید غصے میں تھے کہ کب تک ہم اس شخص (محمدؐ) کو برداشت کریں اور وہ ہمارے معبودوں اور آباء واجداد کی توہین کرتا رہے؛ چناں چہ ہمیں ان کو قید کر دینا چاہیے، یا جلا وطن کر دینا چاہیے یا پھر قتل کر دینا چاہیے؛ تا کہ ہم ان سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ پھر قریش کے سرداران اپنے مشورہ گاہ: دارالندوہ میں خفیہ طور پر نبیؐ کے خلاف فیصلہ لینے کو جمع ہوئے۔ کسی نے کہا کہ اسے لوہے کی زنجیر میں باندھ کر، دروازہ بند کر دو۔ کسی نے کہا کہ انھیں جلا وطن کر دو۔ مگر نجدی شیخ کے روپ میں، دارالندوہ میں بیٹھے مردود ابلیس نے ان رایوں کے نقص کو اجاگر کیا اور کہا کہ یہ کوئی رائے نہیں ہے۔ پھر ابوجہل بن ہشام نے یہ رائے دی کہ ہم ہر قبیلے سے ایک قوی جوان کو منتخب کریں۔ ہم ان میں سے ہر ایک جوان کو ایک تیز تلوار دیں۔ وہ سب کے سب بیک ضرب، ان کو قتل کر دیں۔ جب وہ اسے اس طرح قتل کریں گے؛ تو ان کا خون مختلف قبائل میں بنٹ جائے گا؛ پھر میں نہیں سمجھتا کہ بنو ہاشم سارے قریش سے جنگ کریں گے۔ جب اس صورت حال کا

بنو ہاشم مشاہدہ کریں گے؛ تو دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ پھر ہم ان کو دیت دیدیں گے۔ نجدی شیخ کی صورت میں بیٹھے ابلیس نے کہا کہ بات تو یہ ہے جو اس آدمی نے کہی اور اس رائے کے بعد کوئی رائے نہیں ہے؛ لہذا پوری قوم اس پر تیار ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی مسلمان کو اس منصوبہ کا علم نہیں تھا۔ جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے اور کہا: آپؐ اپنے جس بستر پر رات گزارتے تھے، اس پر رات نہ گزاریں۔ جب رات تاریک ہوئی؛ تو سب کے سب (قتل کے ارادے سے) آپؐ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپؐ کب سوتے ہیں؛ تاکہ وہ سب آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے بستر پر لیٹ کر، میری اس حضرمی ہری چادر کو اوڑھ کر سو جاؤ۔ کوئی ناپسندیدہ عمل ان کی طرف سے تمھیں پیش نہیں آئے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے؛ تو اسی چادر میں سوتے۔ پھر آپؐ اپنے ہاتھ میں، لپ بھر مٹی لے کر ان کے سامنے سے نکلے۔ پھر آپؐ وہ مٹی ان تمام کے سر پر ڈالتے ہوئے سورہ یس کی آیات 1-5 کی تلاوت کر رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت بینائی لے لی وہ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ جب آپؐ ان آیات کی تلاوت سے فارغ ہوئے؛ تو کوئی ایسا نہیں بچا تھا جس کے سر پر مٹی نہ پڑی ہو۔ پھر آپؐ وہاں سے رخصت ہوئے، جہاں آپؐ کو رخصت ہونا تھا۔ (سیرت ابن ہشام 1/482-483)

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ 13/سالہ مکی دور میں نبی اکرمؐ کو مختلف قسم کے ذہنی وجسمانی مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا۔ کبھی آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا گیا، کبھی آپؐ پر پتھر پھینکے گئے، کبھی مٹی پھینکی گئی، کبھی گرد وغبار پھینکا گیا، کبھی راستے میں کانٹے ڈالے گئے، کبھی ڈاڑھی اور سر کے بال نوچے گئے اور کبھی آپؐ کے چہرہ مبارک پر تھوکنے کی بدبختانہ کوشش کی گئی؛ مگر آپؐ اسلام کی اشاعت کی خاطر، سب کچھ برداشت کرتے ہوئے دین کی دعوت میں، ہمہ تن مشغول رہ کر، اپنی امت کو بہترین نمونہ فراہم کر گئے۔ ارشاد خداوندی ہے: (ترجمہ) تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو (یعنی مومن کامل ہو اس کے لیے)، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے)۔ (سورہ اَحزاب:21)

☆☆☆☆☆☆

{بقیہ صفحہ ۷ کا}-----

اب پاسورڈ قفل ہے، قفل کی کنجی بھی ہے۔ پاسورڈ سنتری ہے، تعارفی پاس بھی۔ رمز نگاری فن بھی ہے، علم بھی۔

انکرپشن یا علم تشفیر کا شجرۂ نسب رمز نگاری سے جڑتا ہے جو نئے علوم میں غایت درجہ کی اہمیت رکھتا ہے۔

رہبر عالم، سید المرسلین حضرت محمد ﷺ نے شعار یا پاسورڈ/ پاسکوڈ کو عمل میں لا کر اپنی امت کو تا قیامت تحقق وتیقن کے باب میں رہنمائی فرمائی ہے تاکہ اندھے اعتبار اور اندھے تصرف کا خاتمہ ہو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆☆

وہ کھاتے تھے پتھر، وہ سنتے تھے گالیاں
مگر پھر بھی حق کی شمع جلاتے رہے
خدا کے بندوں کو خدا سے ملانے کی خاطر
وہ اپنی جانِ پاک کو دکھوں میں کھپاتے رہے

ماخوذ---

اصلاح معاشرہ

شک وشبہ

ایک تباہ کن سماجی بیماری

مفتی رحمت اللہ ندوی
استاد حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

شک وشبہ کی بیماری بڑی تباہ کن ہوتی ہے، اس سے نہ صرف انفرادی زندگی تباہ ہوجاتی ہے اور عذاب بن جاتی ہے، معاشرتی زندگی بھی تہس نہس ہوجاتی ہے، اور خاندانی نظام بگڑ جاتا ہے، اسی لیے ظن وتخمین اور بدگمانی، خواہ مخواہ شک وشبہ سے قرآن وحدیث میں ممانعت کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ”یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، إن بعض الظن إثم“۔

ترجمہ: (اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں)

حدیث شریف میں کہا گیا ہے: إن الظن أکذب الحدیث (گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔)

لوگوں کو ایک دوسرے سے دور کرنے اور بانٹنے والی چیز ”شک“ ہے، اس سے بے اعتمادی اور عدم بھروسہ کی کیفیت ہوتی ہے پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو کسی پر یقین اور بھروسہ نہیں رہ جاتا۔

ازدواجی زندگی کو تباہ و برباد کرنے والی بہت ساری وجوہات میں ایک اہم وجہ شوہر کے دل ودماغ میں بیوی کے تعلق سے یا بیوی کے دل ودماغ میں شوہر کے تعلق سے شک پیدا ہوجانا ہے۔

جب یہ شک ذہن ودماغ میں پیدا ہوجاتا ہے تو تعلقات کشیدہ ہوجاتے ہیں، نفرت ہونے لگتی ہے، دوری بڑھنے لگتی ہے اور بالآخر طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

کتنے ہی ازدواجی رشتے شوہر یا بیوی کے بے جا شک کی بنیاد پر ٹوٹ گئے؟ اور کتنی زندگیاں اسی وجہ سے تباہ ہوگئیں!

ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری بیوی نے ایک کالے کلوٹے بچے کو جنم دیا ہے۔

ان کا منشا اپنی بیوی کے کردار کو مشکوک بنانا تھا اور دبے لفظوں میں یہ کہنا تھا کہ جب میرے گھر اور خاندان میں سب گورے چٹے ہیں تو یہ بچہ کالا کلوٹا کیسے ہوگیا؟ ضرور دال میں کالا ہے یا پوری دال ہی کالی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! پوچھا: کس رنگ کے ہیں؟ انھوں نے کہا: سرخ رنگ کے۔

آپ نے دریافت کیا: ان میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟

انھوں نے کہا: کئی ایک ہیں۔

آپ نے پوچھا: سرخ رنگ کے اونٹوں میں یہ کہاں سے آگئے؟

انھوں نے جواب دیا کہ شاید اوپر سے کوئی رگ کھنچ آئی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہی بات یہاں بھی ہوسکتی ہے کہ کہیں اوپر سے یہ اثر آ گیا ہو، بلا وجہ بیوی پر شک کیوں کر رہے ہو اور اس کے کردار کو کیوں مشکوک بنا رہے ہو؟

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنی بیوی کے بارے میں شادی سے پہلے کے حالات جاننے میں بڑی دلچسپی ہوتی ہے، وہ اس جانکاری کے تجسّس میں رہتے ہیں کہ شادی سے پہلے کن لوگوں سے اس کا ملنا جلنا تھا؟ اس کے دوست واحباب کون تھے؟ رشتے داروں میں کن لوگوں سے قربت تھی؟ کلاس فیلوز میں کن لوگوں کے ساتھ زیادہ ملنا جلنا اور رہنا سہنا ہوا کرتا تھا؟

جب کہ سماجی ومعاشرتی زندگی اور خاندانی نظام میں ایسا ہوتا ہے کہ ہر فرد کا بہت سارے لوگوں سے ملنا جلنا رہتا ہے ۔ خاندان، محلے، پڑوس، رشتہ دار اور کالج میں مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف نوعیت کے رشتے اور تعلق ہوتے ہیں ۔ انسانی معاشرہ میں کوئی ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ، اور آنکھیں بند کر کے نہیں رہ سکتا، عام طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ملنا جلنا، تعلیمی امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ہوتا ہے، ہر ایک کو دوسرے کی احتیاج ہوتی ہے، لڑکے امتحان کے زمانے میں لڑکیوں کے نوٹس لے کر امتحان کی تیاری کرتے ہیں، لڑکیاں آفیشیل دوڑ بھاگ کے کام لڑکوں کے ذمہ کر دیتی ہیں ۔ اسی طرح محلے میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں ۔ بسا اوقات دل میں بہت سارے خیالات ایک دوسرے کے تعلق سے آتے ہیں ۔ کبھی کبھی دوستی گہری بھی ہو جاتی ہے اور شادی بیاہ کی باتیں بھی ہوتی ہیں، مگر وقت گزرنے کے ساتھ لڑکی کی شادی کہیں اور، اور لڑکے کی شادی کہیں اور ہو جاتی ہے، پھر دونوں اپنی اپنی زندگی گزارنے لگتے ہیں ۔

اب محلہ اور پڑوس ہے، خاندان ہے، پرانے دوست ہیں، دو چار سال بعد کہیں ملاقات ہوتی ہے تو بے تکلف ہو کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں، ماضی کی یادوں کا ہنستے ہنساتے ذکر بھی ہوتا ہے، ایک دوسرے کے تعلق سے خیریت دریافت کی جاتی ہے ۔ مثلاً: وہ خورشید کہاں ہے؟ جمال اور عارف کیسے ہیں؟ نیلوفر کی شادی کہاں ہوئی ہے؟

فلاں کے بچے ہوئے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ ۔

اب ساتھ میں بیٹھے شوہر نامدار ساری باتوں کو غور سے سن رہے ہیں ۔

اور یہ سوچ رہے ہیں کہ اچھا! تو میری بیوی فلاں کے بارے میں بہت لہک کر چہک کر پوچھ رہی تھی، ضرور کوئی بات ہے، اس کے برعکس بیوی کے دماغ میں چل جاتا ہے کہ اچھا فلاں تقریب میں میرے شوہر کی توجہ میری طرف کم اور نیلوفر کی طرف زیادہ تھی، اس سے بالکل لگ کر باتیں کر رہے تھے، اب شک کی تخم ریزی ہوگئی، اور یہاں سے شیطان اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور سوچتے سوچتے کہیں شوہر اور کہیں بیوی کو شک پیدا ہوا اور گہرا ہوتے ہوتے لڑائی جھگڑے، مار پیٹ، اٹھا پٹخ اور پھر طلاق وخلع کی نوبت آجاتی ہے، اور دیکھتے دیکھتے گھر تباہ اور رشتہ خراب ہو جاتا ہے ۔

لہذا شادی کے بعد نئی زندگی شروع کرنی چاہیے اور شادی سے پہلے کی باتوں کو دفن کر دینا چاہیے، ٹوہ اور تجسّس میں نہیں پڑنا چاہئے، جہاں پورا نظام اور ماحول غیر اسلامی ہو، مخلوط کالج اور مخلوط سوسائٹی ہو تو اس میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہوں گی، اس لیے بہت احتیاط، ہوشیاری، بیداری، اور

حکمت ودانائی سے، قدم قدم پھونک پھونک کر رکھنے، اور بہت سنبھل کر زندگی کے فرائض اور حقوق کو انجام دینے کی ضرورت ہے، لہذا ایک دوسرے کے ہمدرد اور بہی خواہ بن کر زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش کیجئے۔ رشتہ کو مضبوط اور خوش گوار بنایئے، اور بے جا شک کرنے سے بچئے۔

سماج میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جنہوں نے شادی کے بعد آٹھ، دس سال گزارے، دو تین بچے بھی ہو گئے، لیکن اس کے بعد شک کی بیماری پیدا ہوئی اور پھر گھر برباد ہو گیا۔ لہذا آپ چاہے تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ، زندگی کو سنبھال کر، اس کی حفاظت کرتے ہوئے آگے کا سفر جاری رکھئے۔ ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور استعانت کو اپنا سہارا بنایئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کے مطابق زندگی گزارنے اور ازدواجی تعلقات کو بہتر اور خوش گوار بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆

{بقیہ صفحہ ۲۶ کا}---

لوگوں سے رابطے قائم کرو مگر اپنے رب سے تعلق کو کمزور نہ ہونے دو۔ کتاب سے دوستی پیدا کرو، خاموشی سے رشتہ جوڑو، اور زندگی کے اصل معنی تلاش کرو۔ ورنہ خطرہ یہ نہیں کہ مشینیں انسانوں جیسی ہو جائیں گی؛ خطرہ یہ ہے کہ انسان مشینوں جیسا ہو جائے گا۔ وہ دن انسانی تہذیب کا سب سے بڑا المیہ ہوگا جب حافظے کمپیوٹروں میں محفوظ ہوں گے مگر یادیں دلوں سے رخصت ہو چکی ہوں گی؛ جب رابطے ہزاروں ہوں گے مگر تعلقات معدوم؛ جب روشنی ہر سو ہوگی مگر باطن تاریک اور اگر ایسا نہیں ہونے دینا ہے تو پھر آج ہی فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسکرین ہماری زندگی کا ایک حصہ رہے گی، پوری زندگی نہیں۔ کیونکہ قوموں کا مستقبل چمکتی ہوئی اسکرینوں سے نہیں روشن کرداروں سے تعمیر ہوتا ہے؛ اور تاریخ ہمیشہ انہی لوگوں کو یاد رکھتی ہے جو زمانے کے سیلاب میں بہتے نہیں، بلکہ اس کے رخ کو متعین کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۳۲ کا﴾-----

آج بعض انگریزی اخبارات کے بعد سب سے زیادہ پڑھے جانے والے اخبارات اسی زبان میں نکلتے ہیں۔ اردو ملک کی (انگریزی کے بعد دوسرے نمبر کی) سرکاری زبان تھی، جو عدالتوں، سرکاری دفاتر اور اسکولوں میں رائج تھی۔ سابق گورنر یوپی سر انٹونی میک ڈونالڈ (Sir Anthony MacDonald) نے اولاً ہندی کو عدالتی زبان قرار دیا اور دونوں زبانوں کے بولنے والے ہندو مسلم فرقوں کے درمیان تفریق وعداوت کا بیج بویا، ہندی ۱۹۰۰ء میں پہلی مرتبہ میدان میں آئی۔ اردو زبان صرف زبان ہی نہیں بلکہ اس کا اثر ہمارے دین، ہماری تہذیب وتمدن پر پڑتا ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس زبان کی آبیاری کے لئے کمر بستہ ہوں اور اس کی بقاء وتحفظ کے لئے ہر ممکنہ کوشش بھی کریں۔ ہمیں چاہئے کہ اس عظیم مشن کا آغاز اپنے گھر سے کریں اور ہم اپنے ہر بچے کو دینی زبان اور ادب کی چاشنی سے واقف کرائیں اور اس طرح اپنی اس زبان کو عنقا ہونے سے بچائیں کیونکہ یہ ہمارا بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

دعوت عمل

جنت میں داخلے کے لئے چار چیزیں

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ بیان مرکز کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل ہوا۔ قارئین کے فائدے کے لئے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

اچھے اعمال جنت میں دخول کا سبب

میرے محترم دینی اور ایمانی بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے اور حضور برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسانوں کو متنبہ فرمایا گیا ہے، ان کو بتلایا گیا ہے کہ اگر اچھے اعمال کریں گے، اللہ کی رضا والے اعمال کریں گے تو جنت آپ کے لیے ہے، اللہ کی طرف سے انعام آپ کو ملے گا اور اگر ایسے اعمال اختیار نہیں کرتے ہیں جو اللہ کی رضا مندی کا ذریعہ ہیں، تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے جہنم کا ٹھکانہ بنایا ہوا ہے، جس کے اندر وہ گناہ گار بندے ڈالے جائیں گے، اور بہت سی قرآن کی آیات میں اور بہت سی احادیث میں اللہ کے بندوں کو اللہ کے رسول نے اور اللہ نے ترغیب دی ہے اچھے اعمال کرنے کی اور ترہیب کی ہے یعنی ڈرایا ہے برے اعمال کرنے سے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا واقعہ

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ اسلام لانے سے پہلے بڑے زبردست عالم تھے، یہودی تھے، مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور ان کو تورات کا، جو قرآن کریم کے نزول سے پہلے اللہ کی ایک کتاب تھی، اس کا علم تھا اور پہلی تمام کتابوں کے اندر نبی برحق حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دی گئی تھی کہ ایک نبی آئے گا، مکے میں پیدا ہوگا، وہ یتیم ہوگا، ایسے ایسے اس کے حالات ہوں گے، یہ تمام پیشین گوئیاں پہلی کتابوں کے اندر تھیں، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان باتوں کو جانتے تھے اور حضور ﷺ کی بعثت کے بعد جب مکہ مکرمہ میں پروپیگنڈا ہو رہا تھا اور مشرکین مکہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کر رہے تھے تو مدینہ منورہ کے اندر بھی یہ خبریں پہونچ رہی تھیں، تو چونکہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام باتوں سے واقف تھے۔

حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری

جب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، تو حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ **لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَقِيلَ: قد قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قد قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قد قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لأَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَه عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔** حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے، اور ہر طرف یہ آواز گونجنے لگی، رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، چنانچہ میں بھی لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ

کو دیکھنے کے لئے آیا، آپ کے چہرۂ انور کو غور سے دیکھا، تو میں نے پہچان لیا کے اتنا حسین وجمیل چہرہ، اتنا مبارک چہرہ اور اتنا بارعب چہرہ جھوٹا نہیں ہوسکتا، یہ ضرور بالضرور اللہ کے برحق پیغمبر ہیں۔ اللہ کے نبی ہیں یہ مجھے یقین ہو چلا، چنانچہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت چار باتیں بہت ہی مہتم بالشان اور عظیم فرمائیں۔

دخول جنت کیلئے پہلا عمل سلام کو عام کرو

کیا فرمایا؟ ''فکان اول شئ سمعتہ یقول:'' آپ نے جو پہلی بات اس وقت فرمائی، فرمایا ''یایھا الناس افشوا السلام'' اے لوگوں سلام کو عام کرو، آج ہمارے معاشرے میں ہمارے ماحول میں سلام کا رواج بالکل ختم ہوتا جا رہا ہے، اگر معلوم ہے کہ کوئی جان پہچان والا ہے، تو سلام کر لیتے ہیں ورنہ عام حالات میں چاہے وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، کیسا بھی ہو اگر جان پہچان نہیں ہے تو سلام نہیں کرتے، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جگہ دوسری حدیث میں فرمایا کہ ''تَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ علیه'' جس کو پہچانتے ہو اس کو بھی سلام کرو اور جس کو نہ پہچانتے ہو اس کو بھی سلام کرو، بس معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مسلمان ہے، اس کو سلام کرنا چاہیے، اس لیے کہ سلام کرنا یہ ایک دعا ہے، تم پر اللہ کی سلامتی ہو، تو سلامتی کا ہر انسان محتاج ہے، سلامتی کی ہر انسان کو ضرورت ہے اور پوری زندگی کی محنت اور کوشش اور پوری زندگی کی بھاگ دوڑ، اسی لیے ہے کہ آدمی امن سے، آرام سے، راحت سے، سلامتی سے زندگی گزار سکے، یہ ایک فری کی نعمت ہے، فری کی دعا ہے، جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دے سکتا ہے، کتنی عظیم الشان دعا ہے کہ پوری زندگی کے اندر جب سلامتی ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو مال بھی دے گا، اس کو دولت بھی دے گا، اس کو عزت بھی دے گا، اس کو راحت بھی دے گا، اس کو تندرستی بھی دے گا اور جتنی بھی دنیا کی نعمتیں ہوسکتی ہیں، جن کا تعلق سلامتی سے ہے، امن سے ہے، راحت سے ہے وہ ساری اس کو ملیں گی مگر اس کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے بلکہ بعض مرتبہ تو جو ہمارے اسکولوں میں پڑھنے والے مسلم نوجوان ہیں، وہ دیکھ کے نمستے بھی کرتے ہیں، رام رام تو غیر مسلم کرتے ہیں، حالانکہ رام رام کا کوئی مطلب نہیں ہے، نمستے کا کوئی مطلب نہیں ہے، یا اگر کچھ مطلب ہے بھی اس سے کم درجے کا ہے، تم پر اللہ کی سلامتی ہو، اس سے جامع دعا، اس سے بہترین دعا کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ گڈ مارننگ بولتے ہیں انگریزی والے! تمہاری صبح اچھی ہو، تمہاری شام اچھی ہو، تمہارا دوپہر اچھا ہو، لیکن جو معنی اس کے اندر ہے وہ معنویت کسی اور کلمہ کے اندر نہیں ہے، نہ گڈ مارننگ کے اندر ہے، نہ رام رام کے اندر ہے اور نہ نمستے کے اندر ہے، تو ''السلام علیکم'' کے اندر جو برکت ہے، اس کے اندر جو دعا ہے، جو پیغام ہے، وہ کسی اور سلام کے اندر نہیں ہوسکتا، تو ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ سلام کو رواج دیں، بس معلوم ہونا چاہئے کہ سامنے مسلمان ہے، لیکن بعض مرتبہ معلوم نہیں ہوتا چونکہ مسلمانوں نے بے دینی کی راہ اختیار کر رکھی ہے، لباس ایسا پہنتے ہیں، انگریزوں والا، یہودیوں والا، یا اپنا چہرہ ایسا بنا کے رکھتے ہیں جو غیر مسلموں والا، کافروں والا، چہروں پر داڑھی نہیں، تو بعض مرتبہ جو سلام کرنا چاہتا ہے اس کو مغالطہ ہو جاتا ہے کہ اس کو سلام کرے یا نہ کرے، کیوں کہ اس کا چہرہ ایسا ہے نہیں جو مسلمان والا ہوتا ہے، جس کو سلامتی دی جا سکے اور سلامتی کا مستحق تو وہی ہے جو ایمان والا ہے۔ چنانچہ اس کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارے چہروں پر داڑھیاں ہونی چاہئیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنا چاہئے، اور آپس میں سلام کو عام کرنا چاہئے،

جب یہ کریں گے تو پھر اللہ کی طرف سے انعام ہوگا، کیا انعام ہوگا، ابھی بتلائیں گے، تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ "افشوا السلام" سلام کو پھیلاؤ۔

دوسرا عمل لوگوں کو کھانا کھلاؤ

اور دوسری چیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ "واطعموا الطعام" لوگوں کو کھانا کھلاؤ، ضرورت مند ہو، محتاج ہو، فقیر ہو، غریب ہو اور یا ایسے وقت پر کوئی پہنچے کہ اس کو کھانے کی ضرورت ہے، کھانا کھلایا جائے مگر آج کل ایسا ماحول ہے! حالات کی تیز رفتاری اور وقت کی سرعت نے انسان کو ایسا مشغول کر دیا ہے کہ آدمی رشتہ دار کو بھی کھانا کھلانا پسند نہیں کرتا، سوچتا ہے کہ اچھا جلدی سے چلا جائے، میرا وقت بچ جائے، اور میں اپنے کام میں مشغول ہو جاؤں، حالانکہ یہ حکم عام لوگوں کے لیے ہے، کھانا کھلاؤ سب کو، کوئی بھی آنے والا ہو، مسافر ہو، اور رشتہ دار کا تو حق بنتا ہے، مگر ہم لوگ ٹالنا چاہتے ہیں، کسی طریقے سے ٹل جاوے، نکل جاوے، جب کہ یہ ایک اہم فریضہ ہے اور اس کی ضرورت ہے، پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ اگر کوئی مسافر مسجد میں آ گیا، لوگوں نے دیکھا کہ اس نے ہماری مسجد میں عصر کی نماز پڑھی پھر مغرب کی نماز پڑھی تو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ مسافر ہے، ہر آدمی اس کو گھر لے جاتا تھا کہ بھائی! چلو کھانے کے لیے اور ابھی یہ حالت ہے کہ کوئی مسافر آتا ہے مغرب اور عشاء بھی پڑھ لیتا ہے تو عشاء کے بعد بھی اسے اعلان کرنا پڑتا ہے کہ بھئی میں مسافر ہوں، کوئی کھانے کا نظم کر دے، اب یہ حالات ہو گئے ہے، یہ تو مسافر کا حال ہے اور رشتے دار کے لیے بتلایا ہے کہ اگر کوئی رشتہ دار آتا ہے تو سوچتے ہیں کہ کاش چلا جائے، مجھ کو کھیت میں جانا ہے، مجھ کو دکان پہ بیٹھنا ہے، مجھ شہر جانا ہے، سہارنپور جانا ہے، مجھے فلاں کام ہے، جلدی سے تقاضہ رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے بھی بچتے ہیں، حالانکہ عام حکم ہے کہ کھانا کھلانا چاہیے اور اس کا مزاج بنانا چاہیے، اس لیے کہ جو بھی کھائے گا وہ اپنا حق کھائے گا، آپ کا دسترخوان اس کا ذریعہ بنے گا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے حصے کو آپ کے دسترخوان پر اُتارے گا، آپ کے گھر کے اندر کمی نہیں ہوگی، اگر کوئی یہ سوچے کہ مہمان کے آنے سے یا کھانے والوں کے آنے سے کمی ہوتی ہے، یہ اس کی بھول ہے، اس لیے کہ ہر آنے والا اپنا حصہ کھاتا ہے، بس فرق یہ ہے کہ وہ آپ کے دسترخوان پہ کھا رہا ہے ورنہ وہ اپنے گھر کھاتا یا کہیں اور کھاتا۔ لیکن اللہ نے منتخب کیا ہے آپ کو، آپ کے دسترخوان کو اور اس کو آپ کے لیے مہمان بنایا ہے، تو آپ سعید ہیں اور نیک بخت ہیں۔ اللہ کی طرف سے آپ کا انتخاب ہے، اس لیے مزاج بنایا جانا چاہیے کہ ہم کوشش کریں جو بھی آنے والا ہو اگر وقت کھانے کا ہے تو کھانا کھلائے، وقت چائے کا ہے تو چائے پلائے، وہ آپ کو اختیار ہے اور پانی تو پلا ہی سکتے ہیں۔ یہاں کی دیہاتی میں بولتے ہیں کہ بھائی آؤ بیٹھو پانی پیو! جس میں کچھ بھی نہیں لگتا، اس کا مطلب پانی تو پلا ہی سکتے ہیں۔ تو یہ کوشش ہونی چاہئے، یہ ضروری نہیں کہ اس کو پلاؤ، زردہ، بریانی یا قورما ہی کھلائے۔ موجود جو بھی ہو دال روٹی ہو، چٹنی روٹی ہو، جو بھی گھر میں موجود ہو، بلا تکلف پیش کر دینا چاہیے، اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے اور اللہ کا مہمان بھی خوش ہوگا، ایک چیز یہ ہوگئی۔

تیسرا عمل رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو

اور تیسری چیز اللہ کے رسول فرما رہے ہیں "وصلوا الارحام" جو رشتہ دار ہیں ان کے ساتھ میں صلح رحمی کا معاملہ کرنا چاہیے، ہم لوگ کیا کرتے ہیں، آج کل ہمارے معاشرے میں کہ بھئی تم تو ہمارے یہاں آتے نہیں، لہذا! ہم

بھی تمہارے یہاں نہیں جاتے، فرق کیا ہوا، بھئی فلاں رشتے دار ہمارے یہاں نہیں آتا تو ہم بھی اس کے یہاں نہیں جاتے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "**صل من قطعک**" اس کو جوڑو جو تم کو توڑنا چاہ رہا ہے، جو آپ سے تعلق ختم کرنا چاہ رہا ہے اگر وہ نہیں آتا تو آپ تو اپنا فریضہ ادا کیجئے۔ اگر وہ نہیں آرہا آپ کے یہاں، وہ آپ کے ساتھ صلح رحمی نہیں کر رہا ہے تو آپ تو اس گناہ سے بچئے، اگر وہ گناہ کر رہا ہے تو آپ کیوں گناہ میں شامل ہو رہے ہیں، یہ گناہ ہے، اگر وہ آپ کے یہاں نہیں آرہا ہے، یہ اس کا فعل ہے آپ اس کے یہاں ضرور جایئے، لیکن آدمی سوچتا ہے، وہ گناہ کر رہا ہے، میں بھی کروں، اگر وہ جہنم میں جا رہا ہے تو آپ اس کے ساتھ کیوں جہنم میں جا رہے ہیں، وہ نہیں آرہا وہ اس کا فریضہ ہے، اس کی اللہ کے ہاں پکڑ ہوگی لیکن آپ تو اپنا فریضہ ادا کیجیے "**صل من قطعک**" جو آپ کو توڑ رہا ہے آپ اس کو جوڑیے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے، ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ میں صلح رحمی کریں اور اگر وہ نہیں آتے تو ہمیں جانا چاہئے، تھوڑی دیر کے لیے جایئے، جیسا کہ آج کل تیز رفتاری ہے، وقت کم ہے لوگوں کے پاس، تھوڑی دیر کے لیے جائیں، بھئی دوپہر کا کھانا نہ کھائیں، دو منٹ کے لیے، پانچ منٹ کے لیے چلے جائیں۔ اس کے یہاں جا کے چائے پی لے یا خالی بھی بیٹھ کے آجاوے، اگر وہ نہیں آتا ٹھیک ہے وہ گنہگار ہوگا لیکن ہم نہیں جائیں گے تو ہم بھی گنہگار ہوں گے، تو ہمیں بچنا چاہیے۔ "**وصلوا الارحام**" رشتہ داروں کے ساتھ میں صلح رحمی کرنی چاہیے، اور ان کا خیال رکھنا چاہیے اور یہ ذہن میں بٹھانا چاہیے کہ بھائی وہ نہیں آتے تو نہ آئیں، ہمیں جانا چاہیے، جو غلطی کرے گا اللہ کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چوتھا عمل تہجد کی پابندی کرو

اور چوتھی چیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے اندر فرما رہے ہیں "**وصلوا باللیل والناس نیام**" کہ تم نماز پڑھو رات میں، ایسے وقت میں، جب سب لوگ سو رہے ہوں، ہو کا زمانہ ہو، سناٹا ہو، کوئی جاگ نہیں رہا ہو، بس تمہارا پروردگار جاگ رہا ہو، رات کی نماز تہجد کی نماز، اس کا مزاج بنانا چاہیے، اس وقت جو جوان ہیں سب عادت ڈال سکتے ہیں، جیسی عادت ڈالیں گے زندگی بھر رہے گی، اگر سونے کی عادت ڈال لی پوری رات تو پوری رات سوتے رہیں گے اور رات کے آخری حصے میں جاگنے کی عادت ڈال لی تو عادت پڑ جائے گی، پھر زندگی بھر جو ہے تہجد کی نماز پڑھتے رہیں گے، ایک حدیث کے اندر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "**افضل الصلاۃ بعد الفریضۃ صلاۃ اللیل**" نمازوں میں سب سے بہترین نماز فرائض کے بعد رات کی نماز ہے یعنی وہ تہجد کی نماز ہے اور پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر تو یہ نماز فرض تھی اور اُمت پر یہ مستحب ہے اور نفل ہے، لیکن اللہ والے جتنے ہیں وہ سب تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور اس کی برکتوں سے اور اللہ کی رحمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس وقت اللہ کی طرف سے فرشتے آسمان پر اُترتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا؟ جس کی دعائیں قبول کی جاوے، ہے کوئی سوال کرنے والا؟ کہ اس کا سوال پورا کیا جاوے، ہے کوئی اپنی ضرورت کو مانگنے والا؟ کہ اس کی ضرورت پوری کی جاوے، اس وقت اللہ کی طرف سے منادی کرنے والا اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے اور اللہ تبارک

وتعالیٰ اس کی دعا کو، اس کی ضرورتوں کو قبول کرتا ہے اور پوری فرماتا ہے۔

تو یہ اتنا بابرکت وقت ہے۔ اس کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم لوگ تہجد کی نماز پڑھیں، اس کی کوشش کریں، تھوڑی تھوڑی عادت ڈالیں۔ پہلے یہ کہ اگر آنکھ نہ کھلنے کا اندیشہ ہو تو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لیں، اس کی ترکیب یہ ہے کہ جب عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو دو چار رکعت تہجد کی نیت سے جتنی پڑھ سکتے ہیں وہ پڑھ لیں، اس کے بعد وتر پڑھ لیں، زیادہ بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں پڑھے۔ پھر اب تو ہر ایک کے پاس موبائل ہے، ہر ایک کے پاس گھر میں الارم ہوتا ہے، وہ لگا سکتے ہیں۔

اگر اذان سے دس منٹ پہلے، پانچ منٹ بھی پہلے اُٹھ جائیں گے اور چار رکعت، آٹھ رکعت بھی نصیب ہو جائیں تو بڑی برکت کی بات ہے اور بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ تو اس وقت سب سو رہے ہوں، اس وقت اس نماز کی فضیلت ہے۔

ان چاروں اعمال کی وجہ سے سلامتی سے دخول جنت نصیب ہوگا

آگے اللہ کے رسول فرما رہے ہیں اگر تم نے یہ چار کام کر لئے تو "**تدخلوا الجنه بسلام**" تم جنت کے اندر سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے۔ اصل میں یہ سب اعمال جو ہیں، چار چیزیں جو بتلائی گئی ہیں، اگر آدمی، اپنے راکین، اسلام کے جو فرائض ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور جتنے بھی ایسے اللہ کے فریضے ہیں ان کو پورا کر کے اگر ان پر عمل کر لے، ان چار چیزوں کو اختیار کر لے، ایک آپس میں سلام کو عام کریں اور ایک دوسرے کو کھانا کھلاویں اور تیسری چیز صلح رحمی کریں اور چوتھی چیز جو ہے وہ تہجد کی نماز، تو جب انسان ان چاروں چیزوں کو اختیار کر لے، پھر ان شاء اللہ وہ جنت کے اندر داخل ہو جائے گا۔ اصل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نظام ہے، جتنے بھی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ کچھ لوگوں کو تو دخول اول نصیب ہوگا کہ پہلے ہی مرحلے میں کچھ بنا حساب وکتاب اور کچھ حساب وکتاب کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گے، یہ تو دخول اول ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے اعمال کے اندر خرابیاں تھی، ان کے اندر کوتاہی تھی، اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں ڈالیں گے، پھر ان کی دھلائی ہوگی، ان کی صفائی ہوگی۔ جیسے واشنگ مشین کے اندر کپڑوں کی دھلائی ہوتی ہے، جہنم کے اندر دھلائی ہونے کے بعد پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور ان کے ایمان کی برکت سے ان کے اسلام کی برکت سے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو نکال کر پھر جنت میں ڈالے گا، یہ دخول ثانی ہے یعنی دوسرے درجے کا دخول ہے۔ ہم لوگ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ ہم سب کو پہلے مرحلے میں جنت میں داخلہ عطا فرمائے اور ہم سب کے لیے پہلے مرحلے میں جنت کا دخول نصیب فرماوے، یہ اسی شکل میں ہوگا کہ اپنے فرائض کے بعد ہم ان چار چیزوں کا خیال کریں۔ تو ان شاء اللہ ہم کو بھی دخول اول نصیب ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو فرائض کے بعد ان چاروں چیزوں پر عمل کرنے کی اور دوسرے نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرماوے اور ہم سب کو جنت میں دخول اول نصیب فرماوے۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

☆☆☆☆☆☆

حقائق

چمکتی اسکرینیں اور دھندلاتے نقوش زندگی

مولانا محمد محسن ندوی، رائے پوری

عجیب تماشا ہے! انسان نے ہوا کو قید کر لیا، بجلی کو اپنا خادم بنالیا، سمندروں کی وسعتوں کو چند گھنٹوں کی مسافت میں بدل دیا اور پھر ایک دن اس نے ایک ایسی چھوٹی سی اسکرین ایجاد کی جو بظاہر اس کی جیب میں سما جاتی ہے لیکن عملاً اس کی پوری زندگی پر محیط ہو جاتی ہے۔ یہ وہ جادوئی آئینہ ہے جس میں دنیا سمٹ آئی ہے، مگر افسوس کہ اسی آئینے میں جھانکتے جھانکتے انسان خود اپنی صورت بھولنے لگا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کیا یہ ترقی ہے یا محض رفتار؟ کیا یہ شعور کی بلندی ہے یا معلومات کا ہجوم؟ کیا ہم واقعی ایک بہتر دنیا کی طرف بڑھ رہے ہیں یا محض چمکتی ہوئی راہداریوں میں بھٹک رہے ہیں؟ ان سوالات کا جواب اتنا آسان نہیں جتنا پہلی نظر میں معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر دور اپنے ساتھ کچھ نعمتیں لاتا ہے اور کچھ آزمائشیں۔ بھاپ کی طاقت نے صنعتوں کو جنم دیا، بجلی نے راتوں کو دن بنا دیا، چھاپہ خانے نے علم کو عوام تک پہنچایا، لیکن موجودہ ڈیجیٹل انقلاب ایک لحاظ سے ان سب سے مختلف ہے۔ اس نے صرف ہماری زندگی کے وسائل نہیں بدلے، اس نے ہماری توجہ، ہماری تنہائی ہماری گفتگو، ہمارے تعلقات اور حتیٰ کہ ہمارے خوابوں تک کی ساخت بدل دی ہے۔ کبھی انسان آسمان کی طرف دیکھ کر ستارے گنتا تھا، آج اسکرین کی طرف دیکھ کر نوٹیفکیشن گنتا ہے۔

کبھی شام کے سائے ڈھلتے تو گھروں کے صحن آباد ہوتے تھے۔ بزرگ اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی دانائی نوجوانوں میں تقسیم کرتے تھے۔ کہیں داستان حاتم طائی سنائی جا رہی ہوتی، کہیں کسی بزرگ کے سفرنامے کا ذکر ہوتا، کہیں کسی ماں کی نصیحت اور کہیں کسی استاد کی سرزنش۔ گھر صرف اینٹوں کا مجموعہ نہیں ہوتے تھے، وہ تہذیب کے مدرسے ہوتے تھے۔ آج بھی گھر موجود ہیں، دیواریں موجود ہیں، چھتیں موجود ہیں، مگر ان دیواروں کے درمیان بہنے والی گفتگو کی وہ گرمائش کہاں ہے؟ اب ہر شخص اپنے اپنے جزیرے میں آباد ہے۔ ایک ہی کمرے میں چار افراد بیٹھے ہیں، لیکن ہر ایک کا ذہن کسی اور دنیا میں گردش کر رہا ہے۔ ماں کچھ کہنا چاہتی ہے، بیٹا مصروف ہے۔ باپ تجربہ منتقل کرنا چاہتا ہے، اولاد مصروف ہے۔ بھائی بہن ایک دوسرے کے قریب ہیں، مگر ان کے درمیان خاموشی کی ایک ایسی دیوار کھڑی ہے جسے اینٹوں نے نہیں، اسکرینوں نے تعمیر کیا ہے۔ ترقی نے ہمیں یہ سہولت ضرور عطا کر دی ہے کہ ہم چند لمحوں میں دنیا کے کسی بھی گوشے سے رابطہ کر سکتے ہیں؛ البتہ یہ مسئلہ ابھی تک حل طلب ہے کہ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان رابطہ کیسے قائم کیا جائے۔ یہ طنز نہیں، ایک تلخ حقیقت ہے۔

تہذیبیں اچانک نہیں مرتیں وہ پہلے اپنی زبان کھوتی ہیں، پھر اپنی روایات پھر اپنی مجالس، اور آخر میں اپنی روح، تاریخ کے اوراق پلٹیے ۔ بابل نینوا، یونان، روم اندلس - سب اپنے اپنے زمانے میں طاقت، علم اور شان و شوکت کے مینار تھے۔ لیکن جب تہذیب کا باطن کمزور ہو گیا تو ظاہری عظمت زیادہ دیر

تک انہیں سہارا نہ دے سکی۔ آج ہمارا مسئلہ یہ نہیں کہ ہمارے پاس علم کم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس معلومات بہت ہیں اور حکمت کم ہے۔ ایک نوجوان چند لمحوں میں دنیا بھر کی خبریں پڑھ لیتا ہے، لیکن اپنے دل کی خبر نہیں رکھتا۔ وہ ہزاروں اقوال زریں محفوظ کر لیتا ہے، لیکن ایک اچھے اصول پر عمل نہیں کر پاتا۔ وہ درجنوں ویڈیوز دیکھ لیتا ہے، مگر ایک کتاب مکمل نہیں پڑھتا۔ کتاب اور اسکرین کے درمیان فرق صرف شکل کا نہیں، اثر کا بھی ہے۔ کتاب انسان کو آہستگی سکھاتی ہے، اور آہستگی تفکر کو جنم دیتی ہے۔ اسکرین رفتار سکھاتی ہے، اور ضرورت سے زیادہ رفتار اکثر گہرائی کی دشمن بن جاتی ہے۔ مطالعہ ایک دریا کی طرح ہے جو خاموشی سے بہتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے، جبکہ بے مقصد اسکرولنگ اس بارش کی مانند ہے جو شور تو بہت پیدا کرتی ہے مگر زمین میں جذب نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ معلومات کے اس سیلاب میں بھی فکری قحط کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔

اور اس کا اثر صرف علم پر نہیں پڑتا، نفس پر بھی پڑتا ہے۔ سوشل میڈیا کی دنیا ایک ایسا بازار ہے جہاں ہر شخص اپنی بہترین تصویر آویزاں کرتا ہے۔ یہاں کامیابیاں نظر آتی ہیں، ناکامیاں نہیں؛ مسکراہٹیں نظر آتی ہیں، آنسو نہیں؛ روشنیاں دکھائی دیتی ہیں، اندھیرے نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان دوسروں کی زندگیوں کا موازنہ اپنی زندگی سے کرنے لگتا ہے۔ وہ کسی کی کامیابی دیکھتا ہے اور اپنی جدوجہد بھول جاتا ہے، کسی کی دولت دیکھتا ہے اور اپنی نعمتوں سے غافل ہو جاتا ہے، کسی کی شہرت دیکھتا ہے اور اپنے مقام کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ زندگی کا سب سے بڑا ظلم یہی ہے کہ انسان دوسروں کے پیمانے سے اپنی قسمت کو ناپنے لگے۔ فطرت نے ہر شخص کو الگ راستہ دیا ہے، الگ صلاحیت دی ہے، الگ امتحان دیا ہے۔ گلاب اگر چنبیلی بننے کی کوشش کرے تو اپنی خوشبو بھی کھو دے گا اور چنبیلی بھی نہیں بن سکے گا۔ مگر اسکرین کی دنیا ہمیں ہر لمحہ یہ باور کراتی ہے کہ تم وہی بنو جو دوسرا ہے۔ اور یہی احساس کمتری یہی مسلسل موازنہ یہی بے چینی آج کے نوجوان کے دل میں ایک خاموش اضطراب پیدا کر رہی ہے۔

یہ اضطراب محض نفسیاتی نہیں، روحانی بھی ہے۔ انسان صرف گوشت پوست کا پتلا نہیں۔ وہ صرف ہڈیوں، پٹھوں اور اعصاب کا مجموعہ نہیں۔ اس کے اندر ایک دل بھی ہے، ایک روح بھی ہے، ایک باطن بھی ہے، اور یہ باطن بھی غذا مانگتا ہے۔ جسم کی غذا روٹی ہے، عقل کی غذا علم ہے، لیکن روح کی غذا خاموشی ذکر تفکر اور اپنے خالق سے تعلق ہے۔ بدقسمتی سے جدید انسان نے جسم کی خوراک کا انتظام کر لیا، عقل کی خوراک کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست کر لیا، مگر روح کی غذا کو بھول بیٹھا۔ کبھی رات کے آخری پہر کی خاموشی میں آدمی اپنے دل کی دھڑکن سنتا تھا۔ کبھی ستاروں بھرے آسمان کے نیچے بیٹھ کر زندگی کے معنی پر غور کرتا تھا۔ کبھی مسجد کی خاموش فضا میں سجدہ کرتے ہوئے اپنے وجود کی حقیقت کو محسوس کرتا تھا۔ آج خاموشی نایاب ہے۔ ہر طرف آوازیں ہیں، تصویریں ہیں، پیغامات ہیں، اطلاعات ہیں، شور ہے، اور اس شور میں انسان اپنے باطن کی آواز سننے سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سہولتیں بڑھ رہی ہیں مگر سکون کم ہو رہا ہے، آسائشیں بڑھ رہی ہیں مگر اطمینان گھٹ رہا ہے، رابطے بڑھ رہے ہیں مگر تعلقات کمزور ہو رہے ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ ایک نوجوان کے پاس وہ تمام چیزیں موجود ہیں جنہیں گزشتہ نسلیں خواب سمجھتی تھیں، مگر پھر بھی وہ بے چینی کا شکار ہے؟ وجہ شاید یہ ہے کہ انسان کی اصل پیاس مادی نہیں، معنوی ہے۔ وہ صرف چیزوں سے مطمئن نہیں ہوتا،

مقصد سے مطمئن ہوتا ہے۔ وہ صرف سہولت سے خوش نہیں ہوتا، معنی سے خوش ہوتا ہے۔ اور جب زندگی سے مقصد کا احساس کمزور پڑنے لگے تو آسائشوں کے انبار بھی دل کی ویرانی کو آباد نہیں کر سکتے۔ اسکرین نے وقت کو نہیں کھایا، بلکہ وقت کے احساس کو بدل دیا ہے۔ گھنٹوں گزر جاتے ہیں اور آدمی کو احساس تک نہیں ہوتا۔ چند لمحوں کے لیے موبائل کھولا جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے آدھا دن بیت جاتا ہے۔ گویا وقت اب گھڑی کی سوئیوں سے نہیں، اسکرین کی روشنی سے ناپا جانے لگا ہے۔ اور وقت تو زندگی کا دوسرا نام ہے۔ جو اپنا وقت کھو دیتا ہے، درحقیقت اپنی زندگی کا ایک حصہ کھو دیتا ہے۔

یہاں ذرا ٹھہریے اور اپنے آپ سے ایک سوال کیجیے۔ اگر آج آپ کا موبائل ایک ہفتے کے لیے آپ سے لے لیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ اگر اس سوال کا جواب آپ کے پاس نہیں تو یہ لمحۂ فکریہ ہے۔ کیونکہ جس چیز کے بغیر انسان اپنی زندگی کا تصور نہ کر سکے، وہ سہولت نہیں رہتی، ضرورت بن جاتی ہے، اور بعض اوقات ضرورت سے بڑھ کر غلامی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسکرین سے دور بھاگو۔ زمانے سے جنگ کرنا دانش مندی نہیں۔ دریا کا رخ بدلنا ممکن نہیں، لیکن اس کے پانی سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔ ٹیکنالوجی سے فرار نہیں، اس پر اختیار مطلوب ہے۔ موبائل تمہارے ہاتھ میں رہے، تم موبائل کے ہاتھ میں نہ چلے جاؤ۔ تم اسکرین کو دیکھو، اسکرین تمہاری زندگی کو نہ دیکھنے لگے۔ تم معلومات کے مالک بنو معلومات کے سیلاب میں بہہ نہ جاؤ۔

تاریخ گواہ ہے کہ قومیں صرف ہتھیاروں یا ایجادات سے عظیم نہیں بنتیں۔ ان کی عظمت کا راز ان کے کردار ان کے علم ان کے خود شناسی اور ان کے مقصد حیات میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اندلس کی عظمت صرف اس کے محلات میں نہیں تھی؛ اس کے مدارس، کتب خانے اور اہل علم اس کی اصل قوت تھے۔ بغداد کی شان صرف اس کی عمارتوں میں نہیں تھی؛ اس کے علمی حلقے اور فکری مجالس اس کا سرمایہ تھے۔ اور کسی قوم کا زوال بھی عمارتوں کے گرنے سے پہلے دلوں کے ویران ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی سب سے بڑی ضرورت نئی ایجادات نہیں متوازن انسان ہیں۔ ایسے انسان جو جدید بھی ہوں اور باوقار بھی عصری علوم سے آشنا بھی ہوں اور اپنی تہذیبی جڑوں سے وابستہ بھی، ٹیکنالوجی استعمال بھی کریں اور اس کے اسیر بھی نہ ہوں۔

اے نوجوان نسل مسلم! تم اس امت اس ملت اور اس وطن کا سرمایہ ہو۔ تمہارے ہاتھوں میں صرف موبائل نہیں، مستقبل بھی ہے۔ تمہاری آنکھیں صرف اسکرین دیکھنے کے لیے نہیں بنائی گئیں؛ انہیں تاریخ کے اسباق کتابوں کے خزانے اور کائنات کی نشانیوں کو بھی دیکھنا ہے۔

تمہارا دماغ صرف اطلاعات جمع کرنے کے لیے نہیں؛ اسے سوچنا، سمجھنا اور نئی راہیں تلاش کرنا بھی ہے۔ اور تمہارا دل صرف دھڑکنے کے لیے نہیں؛ اسے محبت، اخلاص، ہمدردی اور ایمان کی روشنی سے بھی منور ہونا ہے۔ یاد رکھو! قوموں کی تقدیر ان لمحوں میں بدلتی ہے جب نوجوان اپنی راحت پر اپنے مقصد کو ترجیح دیتے ہیں، جب وہ تماشائی بننے کے بجائے کردار بننے کا فیصلہ کرتے ہیں، جب وہ وقت کو ضائع کرنے کے بجائے وقت سے تاریخ بنانا سیکھتے ہیں۔

اس لیے اسکرین کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ مگر اپنی بصیرت کی شمع بجھنے نہ دو۔ دنیا کی خبریں حاصل کرو، مگر اپنے دل کی خبر بھی رکھو۔ {بقیہ صفحہ ۱۸ پر}۔۔۔۔۔

فکر و عمل

دینی ادارے: روایت اور ضرورت

مولانا نواب عالم ندوی
مہتمم جامعہ معین الدین چشتی، اجمیر

تعلیم و تربیت کے نظام کے متعدد پہلو ہیں، اور ان سب کے ذریعے بنیادی طور پر دینی رہنمائی، فکری تشکیل اور انسانی کردار کی تعمیر مقصود ہوتی ہے۔ اس نظام کا ایک اہم اور نمایاں پہلو ہمارے دینی ادارے ہیں، جو مکتب کی ابتدائی سطح سے لے کر منتہی درجات اور مختلف دینی موضوعات میں اختصاص تک، تعلیم کے متنوع اور باقاعدہ مراحل فراہم کرتے ہیں۔ یہ ادارے محض درس و تدریس کے مراکز نہیں، بلکہ ایک طویل علمی و دینی روایت کے امین بھی ہیں، جن کا بنیادی مقصد دین کی تعلیم، اس کی حفاظت اور معاشرے کی دینی رہنمائی ہے۔

دینی اداروں کی تاریخ شاندار اور ان کی خدمات بے مثال ہیں۔ صدیوں سے ان اداروں سے وابستہ اہلِ علم نے دینی علوم کی حفاظت، اشاعت اور ترویج کا فریضہ انجام دیا ہے۔ انہوں نے عوام کی دینی رہنمائی کی، نسلوں کی علمی و دینی تربیت کی اور مختلف حالات میں امت کی فکری و اخلاقی رہنمائی کا کام کیا۔ ان خدمات کی قدر و قیمت سے انکار ممکن نہیں؛ بلکہ دینی اداروں سے وابستہ افراد نے جس اخلاص، محنت اور استقامت کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھائی ہے، وہ قابلِ قدر بھی ہے اور قابلِ رشک بھی۔

لیکن کسی ادارے کی عظمت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کی کارکردگی کا جائزہ نہ لیا جائے اور بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں اس کے طریقۂ کار پر غور نہ کیا جائے، بلکہ جائزہ اور کارکردگی پر غور و خوض تو ایک لازمی اور تکمیلی مرحلہ ہوتا ہے۔ حالات کی رفتار، معاشرتی تقاضوں کی نوعیت اور دنیا کے بدلتے ہوئے فکری و علمی منظرنامے کا دینی اداروں کے موجودہ نظام سے موازنہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان اداروں کی کارکردگی اور طریقۂ کار میں بہتری کی گنجائش موجود ہے، بلکہ بعض پہلوؤں میں اس کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔

یہ بات دینی اداروں کی مخالفت نہیں، بلکہ ان کی افادیت کو مزید مؤثر بنانے کی خواہش ہے۔ جو ادارے دین کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، ان کے لیے یہ اور بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات، معاشرے کی ضرورتوں اور پیدا ہونے والے نئے مسائل سے باخبر رہیں، تاکہ ان کی رہنمائی زندگی کے حقیقی مسائل سے مربوط اور مؤثر ہو سکے۔

اصلاح کی ضرورت اور اہلِ مدارس کے مختلف رجحانات

دینی اداروں کی اصلاح اور ان میں ہمہ جہت بہتری کے سوال پر اہلِ مدارس کے درمیان ایک عرصے سے مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ اس اختلاف کو سمجھنے کے لیے موجودہ صورتِ حال میں کم از کم تین نمایاں رجحانات سامنے آتے ہیں۔

ایک طبقہ ایسا ہے جو سرے سے اس بات کا قائل نہیں کہ دینی اداروں میں کسی بنیادی اصلاح یا بہتری کی ضرورت ہے۔ اس کے نزدیک موجودہ نظام اپنی جگہ درست اور کافی ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص دینی اداروں کے طریقۂ کار، نصاب، تربیتی نظام یا کارکردگی میں بہتری کی بات کرتا ہے تو یہ طبقہ فوراً دفاعی

پوزیشن اختیار کر لیتا ہے۔ بعض اوقات اصلاح کی بات کرنے والوں کی نیت اور اخلاص ہی کو مشکوک قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، گویا اداروں کی اصلاح کا مطالبہ خود ان اداروں سے بے وفائی یا ان کی مخالفت کے مترادف ہو۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو موجودہ صورتِ حال کے بعض مسائل اور اصلاح کی ضرورت کا احساس تو رکھتا ہے، لیکن اس کے اندر اس قدر احتیاط اور تحفظ پایا جاتا ہے کہ عملی سطح پر کسی بڑی اور مثبت تبدیلی کے امکانات بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ یہ طبقہ مسئلے کو محسوس کرتا ہے، اس پر گفتگو بھی کرتا ہے، لیکن تبدیلی کے مرحلے میں قدم اٹھانے سے گریز کرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ احساس تو باقی رہتا ہے، مگر اصلاح کی رفتار بہت سست ہو جاتی ہے۔

تیسرا طبقہ نسبتاً کم تعداد میں سہی، لیکن ایسا ہے جو مسئلے کا احساس بھی رکھتا ہے اور اس کے حل کے لیے عملی کوشش بھی کرتا ہے۔ اس طبقے کی کوششوں کے نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں اور بعض اداروں میں تبدیلی اور بہتری کی مثالیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ تاہم چونکہ ایسی کوششیں مجموعی اعتبار سے ابھی محدود ہیں، اس لیے ان کے اثرات بھی وسیع پیمانے پر اور تیز رفتاری سے محسوس نہیں ہوتے۔

ان تینوں رجحانات کے درمیان بنیادی ضرورت ایک ایسے متوازن اور سنجیدہ رویے کی ہے جو نہ دینی اداروں کی خدمات اور تاریخی کردار سے انکار کرے اور نہ ان کی اصلاح کی ضرورت کو نظر انداز کرے۔ محبت اور تنقید، روایت اور تجدید، تحفظ اور اصلاح ان سب کے درمیان ایک متوازن راستہ اختیار کرنا ہی زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

مدارس کے بارے میں بڑھتا ہوا منفی ردِّ عمل

مسلمانوں کے عوام و خواص میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوا ہے جو دینی مدارس کی افادیت اور ضرورت ہی کا سرے سے قائل نہیں۔ اس طبقے کے نزدیک یہ پورا نظام اپنی افادیت کھو چکا ہے اور اسے ختم ہو جانا چاہیے۔

اس موقف کو بھی محض ایک مستقل اور بے سبب نظریہ سمجھنا مناسب نہیں۔ یہ بڑی حد تک اس صورتِ حال کا ردِّ عمل معلوم ہوتا ہے جو ہمارے دینی اداروں میں مجموعی طور پر پیدا ہوئی ہے۔ جب کسی ادارے سے معاشرہ یہ توقع رکھتا ہو کہ وہ دینی رہنمائی فراہم کرے گا، خیر اندیش اور صاحبِ کردار افراد تیار کرے گا، بدلتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کی رہنمائی کرے گا اور دنیا کے سامنے ان کے موقف اور ترجمانی کا فریضہ انجام دے گا، لیکن یہ توقعات پوری طرح پوری نہ ہوں تو فطری طور پر مایوسی اور ردِّ عمل پیدا ہو سکتا ہے۔

اس لیے اصل مسئلہ مدارس کے وجود کا نہیں، بلکہ ان کے مطلوبہ کردار اور عملی کارکردگی کے درمیان پیدا ہونے والے فاصلے کا ہے۔ اگر معاشرہ یہ محسوس کرنے لگے کہ دینی ادارے مطلوبہ طور پر ایسے افراد تیار نہیں کر رہے جو دینی بصیرت کے ساتھ معاشرتی ذمہ داری کا شعور بھی رکھتے ہوں، یا یہ کہ وہ موجودہ دور کے فکری و عملی مسائل کے سلسلے میں مطلوبہ رہنمائی فراہم نہیں کر پا رہے، تو اس سے مدارس کے بارے میں سوالات اٹھنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح دنیا کے سامنے مسلمانوں کی مؤثر ترجمانی بھی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ آج کا زمانہ ابلاغ، فکر، تحقیق اور عالمی رابطے کا زمانہ ہے۔ ایسے ماحول میں محض اپنے محدود دائرے میں دینی معلومات فراہم کر دینا کافی نہیں؛ بلکہ ضرورت ایسے اہلِ علم اور افراد کی ہے جو دین کی صحیح نمائندگی کے ساتھ اپنے زمانے کی زبان، فکر اور مسائل سے بھی واقف ہوں اور دنیا کے

سامنے اسلام اور مسلمانوں کا مؤثر اور متوازن تعارف پیش کرسکیں۔

اصلاح کا مطلب خاتمہ نہیں

اس صورتِ حال میں سب سے اہم بات یہ سمجھنے کی ہے کہ اصلاح کا مطالبہ دینی اداروں کے خاتمے کا مطالبہ نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دینی اداروں کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے، اور ان کی تاریخی خدمات ان کے تسلسل کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ ان اداروں کی قوت، روایت اور علمی سرمایہ محفوظ رکھتے ہوئے ان کے نظام اور طریقۂ کار کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔

جو ادارے دین کی خدمت کے لیے قائم ہوئے ہیں، ان سے یہ توقع بجا ہے کہ وہ اپنے اصل مقصد پر قائم رہتے ہوئے اپنی کارکردگی کا مسلسل جائزہ بھی لیتے رہیں۔ ادارہ زندہ اسی وقت رہتا ہے جب وہ اپنے مقصد کے ساتھ وابستہ رہتے ہوئے اپنے طریقۂ کار میں حالات کے مطابق مناسب بہتری پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اس لیے دینی اداروں کے بارے میں رویہ نہ اندھی مدافعت کا ہونا چاہیے اور نہ جذباتی مخالفت کا۔ ضرورت سنجیدہ خود احتسابی، حقیقت پسندانہ جائزے اور مثبت اصلاح کی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے ادارے آج کے معاشرے کے لیے کس نوعیت کے افراد تیار کر رہے ہیں، ان کی علمی و فکری تربیت کس حد تک ہو رہی ہے، وہ بدلتے ہوئے حالات کو سمجھنے کے لیے کس قدر تیار ہیں اور معاشرے کی دینی رہنمائی اور دنیا کے سامنے مسلمانوں کی ترجمانی کی ذمہ داری کو کس حد تک مؤثر انداز میں ادا کر رہے ہیں۔

دینی مدارس امت کا ایک اہم علمی سرمایہ ہیں۔ ان کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب ان کی افادیت، معنویت اور اثر پذیری کو بھی زندہ رکھا جائے۔ ماضی کی شاندار خدمات یقیناً ہمارے لیے سرمایۂ افتخار ہیں، لیکن وہ مستقبل کی ذمہ داریوں سے بے نیاز نہیں کرتیں۔ ماضی ہمیں اپنی شناخت دیتا ہے، جبکہ حال ہم سے عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور مستقبل ہم سے تیاری چاہتا ہے۔

لہٰذا آج کی ضرورت یہ ہے کہ دینی اداروں کی روایت کو احترام کے ساتھ محفوظ رکھتے ہوئے ان کے نظام میں وہ بہتری پیدا کی جائے جس سے وہ اپنے اصل مقصد دینی رہنمائی، علمی تربیت، صالح افراد کی تیاری اور معاشرے کی مؤثر رہنمائی کو زیادہ قوت، بصیرت اور اثر کے ساتھ انجام دے سکیں۔ یہی رویہ دینی اداروں کے شاندار ماضی کو ایک بامعنی اور مؤثر مستقبل سے جوڑ سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۴۲ کا﴾-----

مزید چار چاند لگاتی اور ممتاز بناتی تھیں، فیضان ہاشم نامی سلسلۂ خطبات میں حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمیؒ کے تعلق سے رقم ہے کہ فنا فی اللہ حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب نانکویؒ نے آپ میں دو خوبی پا کر آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا تھا دیانت نفس، اور دیانت مال،

یہ دونوں خوبی عین جوانی میں ہونا یقینا شرف کی دلیل ہیں اور یہ خوبیاں صحبت نیکاں اور اچھے ماحول سے میسر آتی ہیں اپنے نفس کی نگرانی، قدم کو سنبھال کر اٹھانے، نیز تربیت اصلاح پیش نظر رکھ کر یہ خوبیاں اجاگر ہوتی ہیں، تب انسان ان صفات سے مزین ہو کر دنیا میں بہترین کارنامے اور آخرت میں انعام خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

حقیقت

اردو: ایک زبان ایک تہذیب

ڈاکٹر عبید الرحمن ندوی
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ہمارا ملک ہندوستان جو تقریبًا آدھے درجن مذاہب کی جنم بھومی ہے ۔ آج ہندوستان کا شمار دنیا کے سب سے بڑے جمہوری اور سیکولر ملک کے طور پر ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو مختلف معدنیات ، بیش بہا جواہرات، خوشگوار مواسم، بے شمار ذخائر اور دیگر گوناگوں خوبیوں کا مسکن اور گہوارہ بنایا ہے جس کی وجہ سے ہمارے ملک ہندوستان کو ''جنت نشان ملک'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی نظم (My Heaven) جو ہندوستان کی بہترین تصویر کشی کرتی ہے اور یہ نظم سراپا ہندوستان کی مدح وتعریف سے لبریز ہے۔لیکن سقم یہ ہے کہ شروع سے یہ ملک ذات پات، چھوا چھوت، مذہبی ولسانی فرقہ واریت کا شکار رہا ہے۔اسی کے ازالے اور اسی پس منظر میں علامہ اقبال نے'' ترانۂ ہند'' لکھا تا کہ یہاں قومی اتحاد ویکجہتی کو فروغ مل سکے۔ان کی صحیح فکر کی عکاسی اس شعر سے ہوتی ہے:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

ہندوستان ایک کثیر لسانی ملک ہے ۔ ۱۸۳۰ء کو انگریزی حکومت میں فارسی جو عہد مغلیہ کی سرکاری زبان تھی اس کو ہٹا کر اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ دھیرے دھیرے اردو زبان نے متعدد منازل طے کرتے ہوئے اپنی ہمہ جہت خوبیوں کی وجہ سے تاریخ عالم کے نقشے میں اپنی ایک الگ پہچان اور شناخت قائم کر لی:

سیکڑوں اور بھی دنیا میں زبانیں ہیں مگر
جس پہ مرتی ہے فصاحت وہ زباں ہے اردو

آج اردو زبان کا شمار دنیا میں بولی جانے والی چھ بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ہندی کے بعد سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان اردو ہے۔اردو لفظ ترکی سے آیا ہے اور اس کے معنی لشکر کے ہیں۔ اس زبان کی اپنی ایک الگ حلاوت اور چاشنی ہے۔ اس میں بے شمار ادبی اور علمی ذخائر موجود ہیں۔ یہ ایک زندہ وجاوید زبان ہے، اسے بین الاقوامی زبان کی حیثیت حاصل ہے۔آج اردو زبان کا سکہ ایشیا سے لے کر امریکہ تک رائج ہے۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ اردو بالاتفاق ایک ایسی زبان ہے جو فصاحت وبلاغت وشیرینی اور اظہار مطلب کے لئے بڑی شہرت رکھتی ہے۔ یہ تہذیب وتمدن کی زبان ہے۔ اور اس میں خیالات اور حسیات کے نازک نازک فرق ادا ہو سکتے ہیں کیونکہ اس میں اکثر دوسری زبانوں کے مخصوص الفاظ وحروف شامل ہیں مثلاً عربی، فارسی، ترکی، اور سنسکرت وغیرہ۔لہٰذا یہ بہ نسبت دوسری دیسی زبانوں کے ذریعہ تعلیم بننے اور ادبی خیالات کو اچھی طرح ظاہر کرنے اور تمدن وشائستگی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔(تاریخ اردو ادب صفحہ ۵۲۶)

اور بقولِ عبد الرزاق قریشی مرحوم ''اردو کا حقیقی نشوونما اور

اس کی ترقی کا زمانہ مغلوں کا دورِ انحطاط ہے، لیکن وہ سلاطین عہد مغلیہ (زمانہ عروج) اور قدیم ہندوستان کی تہذیب وتمدن کے عکس سے بھی خالی نہیں ہے، اس طرح جب عربی، فارسی، ترکی اور ہندی کے تمدنی الفاظ کا جس قدر ذخیرہ تیموریوں کے زمانہ میں تھا، اس سے اردو میں منتقل ہو گیا''۔ (اردو زبان کی تمدنی اہمیت صفحہ ۲)

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ اردو زبان کسی خاص مذہب کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ ہندوستانیوں کی زبان ہے، مسلمان دانشوروں وادباء کی طرح غیر مسلم دانشوروں کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہزاروں غیر مسلم ادباء نے اردو کے چمن کی آبیاری کی ہے، اردو کی اشاعت وترویج میں خون بہایا ہے۔ ''جان گلکرسٹ'' نے ۱۷۸۷ء میں سب سے پہلا لفظ ''ہندوستانی' کو زبان اردو کے واسطے استعمال کیا ہے۔ (تاریخ ادب اردو صفحہ ۸)

داغ دہلویؔ (۱۸۳۱-۱۹۰۵ء) نے کیا ہی خوب کہا ہے:-

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

واضح رہے اردو زبان کو لفظ ''ریختہ'' سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ (یعنی وہ زبان جس میں دیسی الفاظ کے ساتھ فارسی بھی بکثرت استعمال ہو) بعد کے مصنفین نے اس غرض سے استعمال کیا کہ ادبی زبان وریختہ اور بول چال کی زبان (اردو) میں جو بازاروں اور جاہل فوجی سپاہیوں میں مروج تھی فرق ہو جائے۔ (تاریخ ادب اردو صفحہ ۸)

گلوبلائزیشن (Globalization) کے اس دور میں اس زبان کی اہمیت وافادیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، اس کے ساتھ ہم یہ بھی عرض کرنا چاہیں گے کہ کسی کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہماری زندگی کی ترقی انگریزی زبان سیکھنے یا سکھانے میں مضمر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امریکہ نے جاپان کے دو بڑے شہر ہیروشیما (Heroshima) اور ناگاساکی (Nagasaki) پر ایٹم بم گرایا اور دونوں شہروں کو تہس نہس کر دیا، جس کے اثرات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن امریکہ جاپان کی سرزمین پر اپنی زبان انگریزی کا سکہ نہیں جما سکا۔ جس پر اظہار افسوس ایک امریکی اسکالر نے خود کیا ہے کہ ''ہم نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرایا اور دونوں شہروں کو ملیامیٹ کر دیا لیکن وہاں انگریزی زبان کو رائج کرنے سے قاصر رہے''۔ جاپان کے لوگ جاپانی بولتے ہیں جو ان کی مادری زبان ہے، لیکن اس کے باوجود وہ علمی، ادبی، ثقافتی وصنعتی میدان میں کسی دوسرے ملک سے کم نہیں ہے بلکہ وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ یہی حال جرمنی کا بھی ہے، اس کے علاوہ اور دیگر ممالک بھی ہیں جو اپنی مادری زبان کے بل بوتے پر ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم ہندوستانی لوگ اپنی مادری زبان کو وہ مقام ومرتبہ نہیں دے پا رہے ہیں جو اس کا حق ہے، اس کو ہم اپنی کمزوری سے تعبیر کریں یا محرومی سے۔ ایک مشہور ومعروف قلم نگار لکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں نے مکمل طور پر ملک پر کنٹرول حاصل کر لیا تو انہیں بھی مقامی لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے ایک ایسی زبان کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے سہارے وہ ہندوستانیوں کے ساتھ اپنے خیالات کا تبادلہ کر سکیں۔ لہٰذا انگریزوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے اردو زبان کا انتخاب کیا۔ فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا۔ انگریزی دور حکومت میں اردو نے جو

ترقی کی اس میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، بیسویں صدی میں جب ہندوستانیوں میں انگریزوں کے خلاف آزادی کے جذبہ نے شدت اختیار کی اور جنگ آزادی کی رفتار زور پکڑنے لگی تو اردو واحد ایسی زبان تھی جس نے جدوجہد آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے انگریزوں کے خلاف عوام میں ایسا آزادی کا جذبہ پیدا کیا کہ جس کی تپش سے انگریزی حکومت کی بنیادیں ہل گئیں، یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا اور ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ملک کی آزادی کے ساتھ پاکستان وجود میں آیا جس کی قومی زبان اردو قرار پائی، جبکہ ہندوستان کی قومی زبان ہندی قرار پائی اور اس کے ساتھ ہی اردو کا ایک طرح سے زوال شروع ہوگیا۔

آزادی کے بعد اردو تعلیم کا پرائمری سطح پر جو نظام تھا وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا اور گزشتہ ۳۰-۵۰ برسوں میں اتر پردیش میں اردو میڈیم کے اسکول ختم ہوگئے، شروع میں اردو کو حکومتوں کی سرپرستی حاصل تھی لیکن جب اردو بے یارومددگار ہوگئی اور اس کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں تو اہل اردو کی ذمہ داری بن گئی کہ وہ اپنی زبان اور تہذیب کے تحفظ کی فکر کریں، لیکن یہ اس شیریں زبان کی بدقسمتی تھی (جس کا ڈنکا آج پوری دنیا میں بج رہا ہے) کہ ہندوستان میں اہل اردو نے زبان کے تحفظ اور فروغ کے لئے اس پیمانہ پر کام نہیں کیا جس کی ضرورت تھی۔ ''مفکر اسلام سید ابوالحسن ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اردو زبان ہندوستان کی مختلف قوموں، مختلف تہذیبوں، اور مختلف طبقوں کے اختلاط سے وجود میں آئی، اس کی ساخت اور خمیر میں تین چار زبانوں سنسکرت، عربی، فارسی اور ترکی کا حصہ ہے، انگریزی عہد حکومت میں اس زبان میں انگریزی زبان کے زباں زد الفاظ اور اصطلاحات بھی داخل ہوگئے، اس طرح سے اردو کی حیثیت ہندوستانی قومیت کی صحیح ترجمان سی ہوگئی اور جلد ہی یہ زبان عوام کی زبان بن گئی۔ ہندوستان کی مختلف قوموں نے مل کر اسے علمی، ثقافتی اور ادبی زبان بنایا اور پھر ملک کی صحافت اور سیاسی مدوجزر کی آئینہ دار بھی یہی زبان بنی، ملک کے مختلف حصوں اور آبادی کے مختلف عناصر میں باہمی تبادلۂ خیال اور مفاہمت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ملک کی سب سے مقبول زبان بھی یہ ثابت ہوئی۔ یوپی، بہار، پنجاب، حیدرآباد، دہلی اور اس کے قرب وجوار کے باشندوں کی تو یہ مادری زبان ہے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان نے ہندوستان کی گنگا جمنی مشترکہ تہذیب کی خوبصورت مثال پیش کردی ہے۔ اردو اخبارات کے غیر مسلم مدیروں کی ایک طویل فہرست ہے جو مختلف ادوار میں اردو زبان کی آبیاری کرتے رہے۔ یہی وہ اردو زبان ہے جس نے ملک کو آزاد کرانے میں ہراول دستہ کا کام کیا اور اردو زبان کو اس پر بھی ناز ہے کہ مولوی محمد باقر، مدیر ''دلی اردو اخبار'' نے انگریزی حکومت کے خلاف خامہ فرسائی کی وجہ سے جامِ شہادت نوش کیا اور ہندوستان کی تاریخ میں سب سے پہلے شہید صحافی ہوئے۔ اور اسی طرح اردو زبان ہی نے ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ بلند کیا۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مہاتما گاندھی اردو اور محبین اردو سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کی کئی کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئی ہیں۔

خاص طور سے ان کی سوانح حیات The Story of My Experiments With Truth کا ترجمہ ''تلاشِ حق'' قابلِ ذکر ہے۔ ان کا مشہور اخبار ''ہریجن'' بھی اردو رسم الخط میں شائع ہوتا تھا۔

{بقیہ صفحہ ۱۸ پر}-----

تجزیہ

بٹ کوائن میں مصنوعی طور پر قیمت کیسے پیدا کی گئی؟

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

بٹ کوائن کو اگر ہم تاریخی طور پر دیکھیں تو یکم نومبر سن ۲۰۰۸ کو ساتوشی ناکاموٹو (ایک فرضی نام) نے کرپٹوگرافی میلنگ لسٹ پر ایک ای میل بھیجی جس میں اس نے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ ایک ایسے الیکٹرونکس کیش سسٹم پر کام کر رہا ہے جو کہ مکمل طور پر پی ٹو پی (P2PPeer-to-Peer) ہوگا اور جس میں کسی ٹرسٹڈ تھرڈ پارٹی Trusted Third Party کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا یعنی بیچ میں کوئی ادارہ ملوث نہیں ہوگا۔ پھر سن ۲۰۰۹ میں ساتوشی ناکاموٹو نے بٹ کوائن (ط B T C bitcoin) نامی کرپٹو کرنسی Cryptocurrency کو مارکیٹ میں لانچ کر دیا۔ ساتوشی ناکاموٹو بٹ کوائن وائٹ پیپر میں دعویٰ کرتا ہے کہ بٹ کوائن ایک ایسی کرپٹو کرنسی ہے جو کہ ڈی سینٹرلائزڈ ہے اور اس کو کام کرنے کیلئے کسی تھرڈ پارٹی کی ضرورت نہیں ہے یعنی کسی بینک یا کسی دوسرے فائنینشل ادارے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی تناظر میں ۳ جنوری سن ۲۰۰۹ میں سب سے پہلا بلاک بٹ کوائن بلاک چین میں شامل کیا گیا۔ یعنی آسان الفاظ میں اس دن بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کی شروعات ہوئی۔ اس دن ساتوشی ناکاموٹو نے جینیسس بلاک Genesis Block مائن کیا۔ اس پہلے بلاک میں ایک ٹرانزیکشن شامل کی گئی اور وہ کوائن بیس ٹرانزیکشن Coin Base Transaction تھی یعنی اس پہلے بلاک کو مائن کرنے کے معاوضہ کے طور پر ۵۰ بٹ کوائن کا پہلی مرتبہ بٹ کوائن کھاتے میں اندراج ہوا۔

یہاں پر بنیادی بات سمجھنے کی ہے کہ جس دن بٹ کوائن کا کھاتے میں اندراج ہوا، اس بلاک کے ہیش کو ہم بٹ کوائن نہیں کہہ سکتے۔ نیز جس ایڈریس پر بیس کوائن ٹرانزیکشن مائننگ کے معاوضہ کے طور پر ادا کی گئی وہ بھی بٹ کوائن نہیں ہیں۔ نیز جو ۵۰ بٹ کوائن کا کھاتے میں اندراج ہوا، وہ محض ایک فرضی نمبر ہیں اور ان نمبروں کی ڈیجیٹل فارم کو بھی ہم بٹ کوائن نہیں کہہ سکتے۔ بعض لوگوں کو کمپیوٹر سائنس کا علم نہ ہونے کی وجہ سے یہیں پر مغالطہ ہوا ہے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ کھاتے میں اندراج کئے گئے ۵۰ بٹ کوائن اصل میں موجود ہیں، حالانکہ یہ محض فرضی ۵۰ نمبروں کا کھاتے میں اندراج تھا۔ دیکھیے یہ جو بٹ کوائن کا کھاتے میں اندراج ہو رہا ہے اور پھر آگے چل کر ایک دوسرے کو منتقلی ہو رہی ہے اور ان تمام معاملات کا اندراج کھاتے میں ہو رہا ہے، اس تمام عمل کو بٹ کوائن کے معاملات کا اندراج تو کہا جا سکتا ہے مگر یہ بذاتِ خود بٹ کوائن نہیں۔ آسان الفاظ میں بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کے معاملات کے کھاتے میں اندراج کو بٹ کوائن کرنسی کی حقیقت نہیں کہا جا سکتا۔ اسی وجہ سے جب بٹ کوائن کی شروعات کی گئی تو کھاتے میں درج ان مصنوعی نمبروں کی کوئی قیمت نہیں تھی اور پھر آگے چل کر کچھ لوگوں نے مصنوعی طور پر اس میں قیمت پیدا کی۔

اس کو ایک آسان مثال سے سمجھتے ہیں: مثال کے طور پر

ایک شخص اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے یہ خیال ذہن میں لاتا ہے کہ کاش اس کی بھی کوئی بڑی ہاؤسنگ سوسائٹی ہوتی اور اس کے پلاٹوں کو بیچ کر وہ پیسے کماتا۔ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے ہی اس نے سوچا کہ کراچی کی سپر ہائی وے پر اس نے زمین خرید لی، پھر خیالی طور پر اس نے ابتدائی سرمایہ کاری کر کے اس تک بجلی، گیس، سڑکیں اور دیگر عوامی سہولیات یکجا کر لیں۔ پھر اس نے خیالی طور پر اس سوسائٹی کی زمین پر سوگز کے پچاس، دوسوگز کے پچاس اور ہزار گز کے بیس پلاٹ بنائے اور پھر ان پلاٹوں کو نمبر بھی خیالی طور پر الاٹ کر دیا۔سوگز کے پلاٹوں کی نمبرنگ A-1 to A-50، دوسوگز کے پلاٹوں کی نمبرنگ B-1to B-50 ، اور ہزار گز کے پلاٹوں کی نمبرنگ C-1-to-C-20 تک اپنے ذہن میں فرضی طور پر کر لی۔ پھر اس نے ان پلاٹوں کے نمبروں کے مطابق کھاتے (بلاک چین) میں اندراج کر دیا اور لوگوں کو کہا کہ آیئے آپ ان پلاٹوں کو خریدیئے اور سوگز کے ہر پلاٹ کی قیمت دس لاکھ، دو سوگز کے ہر پلاٹ کی قیمت بیس لاکھ اور ہزار گز کے پلاٹ کی قیمت پچاس لاکھ رکھی۔ پھر ویب سائٹ اور اشتہارات کے ذریعے اس فرضی سوسائٹی کی مشہوری کروائی۔شروع میں تو ان فرضی پلاٹوں کی قیمت کو کسی نے تسلیم نہیں کیا مگر پھر آہستہ آہستہ مصنوعی طور پر اس کی قیمت بڑھائی گئی اور آخر کار مصنوعی قیمت اس کے اختراعی قیمت کے برابر لوگوں میں مشہور ہوگئی اور لوگوں نے اس قیمت کو تسلیم بھی کر لیا۔ پھر لوگوں نے ان پلاٹوں کو خریدنا شروع کر دیا اور پھر ہر خریداری کے وقت کھاتے (بلاک چین) میں اُس خریدار کا نام اور اس کا پلاٹ نمبر درج کر دیا گیا۔ پھر لوگوں نے آگے ان پلاٹوں کو بیچنا شروع کر دیا اور اس طریقے سے ایک پورا پلاٹوں کا کاروبار شروع ہو گیا اور کچھ لوگوں نے اس سے بہت زیادہ منافع بھی کمایا۔

انہی پلاٹوں کو خریدنے والے ایک خریدار نے سوچا کہ چلو میں اپنے خریدے گئے پلاٹ پر تعمیر شروع کرتا ہوں اور اپنی فیملی کو اس نئی ہاؤسنگ سوسائٹی میں شفٹ کرتا ہوں۔تو اس پر یہ عقدہ کھلتا ہے کہ اصل میں تو پلاٹ سرے سے موجود ہی نہیں! مزید تحقیق کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک فرضی ہاؤسنگ سوسائٹی کا بلاک چین پر پروجیکٹ شروع کیا گیا، فرضی نمبر الاٹ کئے گئے، مصنوعی طور پر اس میں قیمت پیدا کی گئی اور پھر خرید و فروخت کا اندراج بلاک چین (کھاتے) میں کیا گیا۔ قارئین، آپ ہی بتایئے کہ کیا یہ فراڈ نہیں؟ اب کوئی دلیل دینے والا دلیل دے کہ دیکھیے ٹرانزیکشن ہو رہی ہے کہ نہیں، تو کیا آپ اس کو تسلیم کریں گے؟ کوئی یہ دلیل دے کہ دیکھیے پلاٹ کا پورا پورا اندراج کھاتے میں موجود ہے، تو کیا آپ اس کو مانیں گے؟ کوئی یہ دلیل دے کہ دیکھیے یہ ڈیجیٹل شکل میں تو موجود ہے اور لوگ اس کو عرف میں تسلیم بھی کر رہے ہیں تو کیا آپ اس دلیل کو مانیں گے؟

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ دیکھیے پلاٹ کی صورت میں یہ فراڈ اس وجہ سے ہے کہ اس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کی حقیقت میں پلاٹ حِسّی طور پر موجود ہیں، مگر وہ پلاٹ حقیقت میں موجود نہیں تھے اور محض کمپیوٹر پر اندراج تھا۔البتہ کرپٹو کرنسی کے تناظر میں شروع سے ہی اس کی حقیقت عوام کو بتا دی گئی تھی کہ کوئی حِسّی شئی موجود نہیں ہوگی اور یہ کرنسی، ڈیجیٹل کرنسی ہوگی لہذا پلاٹ کی صورت میں فراڈ کو کرپٹو کرنسی پر محمول کر کے فراڈ قرار دینا منطقی نہیں لگتا۔بس، یہیں پر تو فراڈ ہو رہا ہے کہ اب بجائے فرضی پلاٹوں کے، کوئی شخص کرنسی کا تَصَوُّر ذہن میں لائے، پھر ذہن میں فرضی طور پر اس کرنسی کے بارے میں سوچے اور پھر کھاتے میں اس فرضی کرنسی کے نمبروں کا اندراج

کرے اور پھر مصنوعی طور پر اس میں قیمت پیدا کی جائے، تو کیا یہ فراڈ نہیں؟ یہ یقیناً فراڈ ہی کی ایک اعلیٰ قسم ہے اور نتیجتاً اس وقت عالمی سطح پر بے تحاشہ پونزی اسکیموں کے ذریعے لوگوں نے فرضی کرنسیاں مارکیٹ میں متعارف کروائیں، ان سے پیسہ بنایا اور پھر مارکیٹ سے پیسہ لے کر غائب ہو گئے۔ فرضی ہاؤسنگ سوسائٹی کی صورت میں فراڈ کرنے کیلئے بڑی محنت درکار تھی مگر کرپٹو کرنسی کی صورت میں فراڈ کرنا آسان کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت مارکیٹ میں سترہ ہزار سے زیادہ کرپٹو کرنسیاں موجود ہیں۔ کرپٹو کرنسی کے تناظر میں اس فراڈ کو بڑے نفیس طریقے سے کیا جاتا ہے اور اس میں کمپیوٹر سائنس کی مشکل اصطلاحات کا استعمال مثلاً کرپٹوگرافک پزل، ہیشنگ، بلاک، ڈیفیکلٹی، پبلک پرائیوٹ کی، کرپٹوگرافی، مائننگ وغیرہ کا استعمال کر کے اور اس کی عالمی پیمانے پر نشر و اشاعت اور پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے لہذا یہ فراڈ اور قمار بازی کی خطرناک نئی شکل بن جاتی ہے، اور یہی کچھ تو بٹ کوائن میں ہو رہا ہے۔ خیر ہم واپس اپنے اصل موضوع یعنی بٹ کوائن میں مصنوعی قیمت کیسے پیدا کی گئی کی طرف آتے ہیں۔

بٹ کوائن کھاتے کی شروعات کے کچھ دنوں بعد یعنی ۱۲ جنوری سن ۲۰۰۹ کو بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کی پہلی باقاعدہ ٹرانزیکشن بلاک نمبر ۱۷۰ میں اندراج ہوئی اور اس ٹرانزیکشن میں ساتوشی ناکاموٹو نے کمپیوٹر پروگرامر ہال فنی Hal Finney کو دس بٹ کوائن بھیجے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا اور بٹ کوائن کھاتے کی شروعات کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف ایڈریس کے ذریعے سے مختلف ٹرانزیکشنز کی گئیں، اور بہت زیادہ تعداد میں بٹ کوائن کرپٹو کرنسی تخلیق (مائن) کی گئی اور پھر مختلف ٹرانزیکشنز کے ذریعے ان بٹ کوائن کا باہمی تبادلہ بھی کیا گیا۔

۵ اکتوبر ۲۰۰۹ میں نیولبرٹی اسٹینڈرڈ نے بٹ کوائن کے پہلے ایکسچینج ریٹ متعین کئے یعنی ایک بٹ کوائن صفر اشاریہ صفر صفر صفر سات چھ امریکی ڈالر کے برابر متعین ہوا BTC1 = USD00076.0 یا اس کو کہہ سکتے ہیں کہ ایک امریکی ڈالر سے ایک ہزار تین سو نو اشاریہ صفر تین بٹ کوائن USD 1 = BTC 03.1309 خریدے جا سکتے تھے۔ بٹ کوائن کا ایکسچینج ریٹ تو متعین ہو گیا مگر ان بٹ کوائن سے سب سے پہلی مرتبہ حقیقی اشیاء کی خریداری سن ۲۰۱۰ میں ہوئی جب پہلی مرتبہ دس ہزار بٹ کوائن کی مدد سے دو پیزا خریدے گئے جس کی آج کی مالیت کروڑوں پاکستانی روپے سے بھی زیادہ بنتی ہے اور اسی مناسبت سے بٹ کوائن پیزا کا دن بھی منایا جاتا ہے۔ اسی طریقے سے اور لوگوں نے بھی بٹ کوائن کرپٹو کرنسی سے چیزوں کو خریدنے کی کوشش کی اور بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کی خرید و فروخت کیلئے ایکسچینج بھی قائم کیا گیا۔ ۱۷ جولائی سن ۲۰۱۰ کو ایم ٹی گوکس MtGox نامی بٹ کوائن کرپٹو کرنسی ایکسچینج وجود میں آیا۔ اکتوبر ۲۰۱۰ میں ایف اے ٹی ایف نے رپورٹ جاری کی جس میں وارننگ جاری کی گئی کہ ڈیجیٹل کرنسیوں کو منی لانڈرنگ اور دہشت گردوں کی معاونت کیلئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ پھر ۹ فروری ۲۰۱۱ کو ایک بٹ کوائن کی قیمت ایک امریکی ڈالر کے برابر ہوئی۔ شروع کے دو سالوں میں بٹ کوائن کی تمام دولت پر محض ۶۴ لوگوں کا قبضہ تھا۔ یعنی بٹ کوائن لانچ ہونے سے لے کر بٹ کوائن کی قیمت ایک امریکی ڈالر تک، یعنی تقریباً دو سال کا عرصہ، چونسٹھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے زیادہ تر بٹ کوائن کو مائن کیا۔

خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے فرضی نمبروں کا کھاتے میں

اندراج کیا گیا، پھر کوشش کی گئی کہ ان فرضی نمبروں سے کچھ خریداری کی جائے اور بلا آخران فرضی ہندسوں کے ذریعے پہلی خریداری پیزا کی شکل میں ہوئی یعنی ان فرضی ہندسوں میں فرضی طور پر تقوّم پیدا کیا گیا ہے۔ اگر آپ مزید گہرائی میں تفصیلات جاننا چاہتے ہیں کہ کس طریقے سے بٹ کوائن کے اندر مصنوعی طور پر تقوّم پیدا کیا گیا اور کس طریقے سے کوششیں کر کے مختلف اشیاء کی خرید وفروخت بٹ کوائن کے ذریعے کرنے کی کوشش کی گئی، اس کیلئے ہسٹری آف بٹ کوائن (http://historyofbitcoin.org/) کی ویب سائٹ اور دیگر سائنسی مقالے دیکھیے۔

بٹ کوائن کے ان فرضی ہندسوں میں فرضی طور پر تقوّم پیدا کرنے کی تفصیلات جاننے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بٹ کوائن کو عوام میں مشہور کیسے کیا گیا؟ سائنسی شواہد یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی کرپٹو کرنسی یعنی بٹ کوائن کو جوے کی مدد سے مزید مشہور کیا گیا۔ مختصراً یہ کہ بٹ کوائن کو مارکیٹ میں لانچ کرنے کے بعد پہلے کچھ سالوں کے اندر لوگوں نے زیادہ جوش وخروش نہیں دکھایا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شروع کے پہلے سالوں میں بہت ہی کم ٹرانزیکشنز ہوئیں۔ پھر ایک جوے کی ویب سائٹ ساتوشی ڈائس SatoshiDice لانچ کی گئی جس کے ذریعے لوگوں کو بٹ کوائن کے بارے میں مزید معلوم ہوا اور انہوں نے بڑھ چڑھ کر بٹ کوائن کو جوے میں استعمال کرنا شروع کیا۔ ساتوشی ڈائس نامی ویب سائٹ نے لوگوں کو ان کی توقع سے زیادہ جوے کی رقم لوٹائی جس کے اندر دس گنا، سو گنا اور ہزار گنا سے زیادہ نفع شامل تھا۔ مثلاً کسی نے ۵ بٹ کوائن اس ساتوشی ڈائس نامی ویب سائٹ پر جوے میں لگائے یعنی ویب سائٹ پر دیئے گئے ایڈریس پر بھیجے تو جوے میں جیتنے کی صورت میں اس کو ۵۰، ۵۰۰، یا ۵۰۰۰ بٹ کوائن ملے۔ جون سن ۲۰۱۲ کے اندر ایک ایسا وقت بھی آیا جب روزانہ کے حساب سے ساٹھ ہزار سے زیادہ ٹرانزیکشن ہوئیں اور ان کو بٹ کوائن کی بلاک چین کا حصہ بنایا گیا اور پھر لوگوں نے اس کے بارے میں جانا۔ بٹ کوائن کا اگر ہم اس دور میں جائزہ لیں تو زیادہ تر ٹرانزیکشن جوے سے ہی متعلق تھیں اور بٹ کوائن کا وسیع استعمال جوے کے اندر کیا گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ نکلا کہ لوگوں نے عالمی سطح پر بٹ کوائن کے اندر زیادہ دلچسپی لینا شروع کی اور چونکہ بٹ کوائن کا کوڈ مفت میں ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے، اس وجہ سے لوگوں نے اس کوڈ کو لے کر اس کی بنیاد پر دیگر کرپٹو کرنسیوں کی بھی بنیاد رکھی۔

اصل میں تو بٹ کوائن کی ذاتی قدر Intrinsic Value نہیں ہے اور کسی سافٹ ویئر کی طرح اس سے ذاتی انتفاع بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ بٹ کوائن حسّی طور پر تو درکنار، ڈیجیٹل طور پر اپنا وجود نہیں رکھتی اور یہ محض ایک فرضی یا تصوریاتی نمبر ہیں یا آسان الفاظ میں کھاتے کے اندر محض ایک نمبر کا اندراج ہے۔ مثلاً جب ایک شخص زید دوسرے شخص بکر کو بٹ کوائن بھیجتا ہے تو صرف کھاتے Ledger کے اندر اندراج ہوجاتا ہے اور حقیقی طور پر یا ڈیجیٹل طور پر بٹ کوائن دوسرے شخص بکر کو منتقل نہیں ہوتے۔ بٹ کوائن کی محض ملکیت ثابت کرنے کیلئے اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو بٹ کوائن منتقل کرنے کیلئے ٹرانزیکشن کا اندراج کھاتے کے اندر کیا جاتا ہے۔ اور کوئی بھی شخص مکمل کھاتے کی چھان بین کر کے یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ کتنے بٹ کوائن کس کی ملکیت میں ہیں اور یہ وہ باآسانی یو ٹی ایکس او Unspent Transaction UTXO - Output اور ایس ٹی ایکس او Spent

STXO - Transaction Output کی مدد سے کرسکتا ہے۔

تمام سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ بٹ کوائن پروٹوکول میں کوائن موجود نہیں ہوتے، صرف ٹرانزیکشنز ہوتی ہیں، جس کے ذریعے سے ملکیت کا تعین کیا جاتا ہے۔ چونکہ بٹ کوائن میں کوائن موجود نہیں ہوتے لہذا ان کوائن کے سیریل نمبر بھی نہیں ہوتے۔ ٹرانزیکشن ہیش اور پچھلی ٹرانزیکشن کے حوالے کو ہی سیریل نمبر کے طور پر لیا جاتا ہے۔ عام کرنسی نوٹوں میں سیریل نمبر ہوتا ہے جس کی ضرورت بٹ کوائن سے ختم کردی گئی ہے۔ اگر ہم کرپٹو کرنسی کی ماہیت پر غور کریں تو یہ بات سائنسی طور پر مُسلَّم ہے کہ کرپٹو کرنسی معدوم ہوتی ہے یعنی یہ محض لیجر میں فرضی نمبروں کا اندراج ہے۔ نیز چونکہ کرپٹو کرنسی سے ذاتی انتفاع حاصل نہیں کیا جاسکتا اور اس میں ذاتی قدر بھی نہیں تھی لہذا ان فرضی ہندسوں میں فرضی طور پر تقوّم پیدا کیا گیا ہے۔

جب پاکستان کے ہی بڑے بڑے اکابر کرپٹو کرنسی کو جُوا اور سٹہ بازی کہیں، جب اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کرپٹو کرنسی کو محض فرضی نمبروں کا کھیل کہے اور بڑے بڑے جید مفتیانِ کرام اور دارالافتاء کرپٹو کرنسی کے عدم جواز کے قائل ہوں تو ہمیں کرپٹو کرنسی کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر اپنی دنیا اور آخرت خراب نہیں کرنی چاہیے۔ ہم اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کا کرپٹو کرنسی سے متعلق فتویٰ کا متن قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ "کرپٹو کرنسی (بٹ کوئن وغیرہ) کو آپ ڈیجیٹل کرنسی کہیں یا ڈیجیٹل تجارتی چیز، بہرصورت یہ ایک فرضی چیز ہے اور اس کا عنوان ہاتھی کے دانت کی طرح محض دکھانے کی چیز ہے۔ بٹ کوئن یا کوئی بھی کرپٹو کرنسی فقہائے کرام کی تصریحات کی روشنی میں از روئے شرع مال نہیں ہے اور نہ ہی یہ ثمن عرفی ہے۔ نیز اس کاروبار میں حقیقت میں کوئی مبیع وغیرہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں بیع کے جواز کی شرعی شرطیں پائی جاتی ہیں؛ بلکہ درحقیقت یہ فاریکس ٹریڈنگ کی طرح سود اور جوے کی شکل ہے، اس لیے کرپٹو کرنسی (بٹ کوئن یا کسی بھی ڈیجیٹل کرنسی) کی خرید وفروخت کی شکل میں نیٹ پر چلنے والا کاروبار شرعاً حلال وجائز نہیں ہے، اس لیے کسی مسلمان کے لیے اس کاروبار میں پیسے انویسٹ کرنا بھی شرعاً جائز نہ ہوگا"۔

خلاصہ کلام یہ کرپٹو کرنسی کا کاروبار محض فرضی ہندسوں کا گورکھ دھندہ ہے، جوے اور سٹے بازی کی بدترین شکل ہے اور اس کے ذریعے سے ترقی پذیر ممالک کی معیشت کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس پر محض چند لوگوں یا اداروں کی اجارہ داری ہے۔ ہمیں بحیثیتِ مسلمان اپنے دین اور دنیا دونوں کو بچانا ہے اور ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے کہ کرپٹو کرنسی میں ہر طرح کے معاملات سے اجتناب کریں اور جمہور مفتیانِ کرام کی رائے پر چلتے ہوئے اس سے لازمی بچیں۔

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۴۰ کا﴾-----

خلافتِ راشدہ کا زمانہ علمی تدوین اور عملی بنیادوں کا دور تھا۔ قرآن کی جمع وحفاظت، حدیث کی روایت، فقہی اصولوں کی بنیاد، عدالتی وانتظامی علوم کی ترقی اور علمی مراکز کا قیام اس دور کی سب سے بڑی نمایاں خدمات ہیں۔ بعد کے ادوار (بنوامیہ وبنو عباس) کی عظیم علمی وفکری ترقی دراصل انہی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆

تاریخ

مسلمانوں میں علوم وفنون سیکھنے کا رواج

مولانا فہیم عبدالخالق ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

قرنِ اول میں تعلیم کا آغاز

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان دنیا کے مختلف علوم وفنون سے کم واقف تھے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اور نبی اکرم ﷺ اس کی تفسیر وتوضیح فرما رہے تھے۔ صحابۂ کرامؓ اسلام کی تبلیغ اور اس کے نظام کو عام کرنے کے لیے مشرق ومغرب میں مصروفِ جہاد تھے۔ علم زیادہ تر سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا تھا، البتہ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ کو تحریری شکل دی جارہی تھی۔ لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی جارہی تھی اور اساتذہ مہیا کیے جارہے تھے۔

چنانچہ لکھنا پڑھنا، سکھانے کی ذمہ داری جاننے والوں کو سونپی گئی۔ مثال کے طور پر، حضرت عبداللہ بن سعید بن عاصؓ کو فنِ کتابت سکھانے کے لیے مقرر کیا گیا، جبکہ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ جیسے صحابہ کو قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مدینہ منورہ بھیجا گیا۔

جب دائرہ اسلام وسیع ہوا تو شاہانِ عجم کے ساتھ خط و کتابت کی غرض سے آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو یہودیوں کی عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اس کے علاوہ انہوں نے فارسی زبان کسریٰ کے قاصد سے، رومی زبان رسول اللہ ﷺ کے حاجب سے، حبشی اور قبطی آپ ﷺ کے خادم سے سیکھی تھی، اس طرح عربوں میں دوسری زبانیں سیکھنے کا رواج شروع ہوا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قدیم زمانہ میں عرب علوم وفنون سے بالکل ناواقف تھے، نہ ان کو لکھنا پڑھنا آتا تھا اور نہ ہی شاعری کے علاوہ کسی فن سے وہ آشنا تھے، جب کہ یہ درست نہیں ہے۔ قاضی ابن صاعد اندلسی (وفات 462ھ/ 1070ء) نے عربوں کے علوم وفنون پر کلام کرتے ہوئے لکھا کہ "لغت، شاعری، اور خطابت اہل عرب کے علوم وفنون تھے، جن پر وہ بہت مفتخر اور نازاں تھے اور یہی ان کی تاریخ وسیر اور جغرافیہ کا سرچشمہ ہیں"۔ ابو محمد ہمدانی لکھتے ہیں کہ عجمیوں اور عربوں کی تاریخ صرف اہل عرب ہی سے حاصل ہوئی ہے، کیوں کہ عمالقہ، جرہم، آلِ سُمیدع بن ہوثر، اور بنی خزاعہ جو مکہ میں سکونت پذیر ہوئے، ان کو عربِ عاربہ، فراعنۂ مصر اور اہل کتاب کے حالات کا پورا علم تھا، اور وہ تجارت کے لیے مختلف ملکوں اور شہروں میں جاتے تھے، اس لیے ان کو ان مقامات کے باشندوں کے تاریخی حالات سے واقفیت حاصل ہوئی۔ اسی طرح اسعد ابوکرب اور بخت نصر کے عہد سے عرب کے جو لوگ حیرہ میں عجمیوں کی ہمسائیگی میں مقیم ہوئے ان کو اہل عجم کے حالات واخبار، حمیر کی لڑائیوں اور ممالک پر ان کی فوج کشیوں کا علم ہوا۔ عبید بن شریہ، محمد بن السائب الکلبی، اور ہیثم بن عدی نے تمام حالات انہی سے روایت کیے ہیں۔ اسی طرح قبیلۂ غسان کے جو مشائخ شام میں داخل ہوئے، وہ رومیوں، بنی اسرائیل اور یونانیوں کے

حالات و اخبار سے باخبر تھے۔ قبیلۂ تنوخ و ایاد کے جو لوگ بحرین میں وارد ہوئے ان سے طسم وجدیس کے حالات اور نصر کی اولاد میں سے قبیلۂ ازد کے جو لوگ عمان میں پہنچے، ان سے سندھ، ہندوستان اور ایران کے بہت سے حالات معلوم ہوئے۔ طے کی دو پہاڑیوں (آجا و سلمیٰ) میں جو لوگ رہے، ان سے آلِ اذینہ اور جرامقہ کے حالات پہنچے، جو لوگ یمن میں اقامت گزیں ہوئے، ان کو تمام قوموں کے حالات سے آگاہی حاصل ہوئی، کیوں کہ ان کو حمیر کے دارالسلطنت میں ان کے زیرِ سایہ رہنے کا موقع ملا جو مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں آتے جاتے رہتے تھے، ان میں سے کوئی بادشاہ ان ممالک اور وہاں کے باشندوں کے حالات معلوم کیے بغیر کسی ملک پر چڑھائی نہیں کرتا تھا۔

اہل عرب قوتِ گویائی اور لطافتِ زبان کے سبب روایات کو بہ کثرت یاد رکھتے تھے، کیوں کہ وہ فلکِ بروج کے اس درمیانی دائرہ کے نیچے رہتے تھے، جو آفتاب کی رفتار سے پیدا ہوتا ہے، اور جس میں ہفت کواکب (جو تمام چیزوں کے حالات بتاتے ہیں) گھومتے رہتے ہیں۔ (طبقات الامم، ص: ۴۴۔)

خلافتِ راشدہ کے دور میں علمی ترقی

خلافتِ راشدہ (11ھ 40ھ/ 632ء 661ء) کا زمانہ اگرچہ صرف تیس برس پر محیط ہے، لیکن علمی و فکری ترقی کے اعتبار سے اس کی بنیادیں نہایت مضبوط رکھی گئیں۔ اس دور میں علمی سرگرمیوں کا تعلق زیادہ تر دینِ اسلام کی حفاظت، قرآن وحدیث کی جمع و تدوین، فقہی مسائل کی تحقیق اور علمی ادارے (مساجد) قائم کرنے سے تھا۔

چنانچہ جنگِ یمامہ میں حفاظ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس مصحف کو معیاری بنا کر تمام اسلامی علاقوں میں سرکاری نسخے بھیجے اور قاری مقرر کیے۔ یہ ایک عظیم علمی خدمت تھی جس کے ذریعہ قرآنی علوم کی بنیاد مستحکم ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عدالتی و انتظامی ڈھانچہ منظم کیا۔ قاضی مقرر کیے، دیوان کا نظام بنایا اور مالیات کا ریکارڈ مرتب کیا، جس سے اسلامی سیاسیات، معیشت اور عدل وقضا کے علمی اصول مرتب ہوئے۔

اس دور میں مفتوحہ علاقوں میں دینی مسائل اور تعلیم کی ترویج کے لیے صحابۂ کرام کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔ حجاز سے سب سے پہلا علمی وفد یزید بن ابی سفیان (وفات 18ھ/ 639ء) کے زمانۂ امارت میں شام روانہ کیا گیا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ شام میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ہوگئی ہے، یہاں کے شہر ان سے معمور ہو گئے ہیں، ان کو قرآن و فقہ کی تعلیم کی ضرورت ہے، آپ معلموں سے مدد فرمائیے۔ اس درخواست پر حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت اور ابو درداء انصاری کو شام بھیجا۔ ان میں سے اول الذکر نے فلسطین میں قیام کیا، عبادہ بن صامت نے حمص میں اور ابو درداءؓ نے دمشق میں، اسی طرح حضرت عمران بن حصین کو بصرہ میں اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ اس طریقہ سے اسلامی دنیا میں ہر طرف تعلیم و تعلم اور تربیت و رجال سازی کا کام شروع ہو گیا۔ جہاں بھی مسلمان گئے وہاں مساجد تعمیر کر کے انہوں نے علمی حلقے قائم کیے، جو بعد میں بڑے علمی و فقہی مدارس کی شکل اختیار کر گئے۔

دیگر علوم وفنون کا آغاز:

مسلمانوں کو فتوحات کی وجہ سے مختلف قوموں اور خطوں

سے سابقہ پڑا، جس قدر تعلقات وسیع تر ہوتے گئے اسی قدر ان کی علوم وفنون سے واقفیت بڑھتی گئی۔ اسلام نے چونکہ علوم وفنون کو اہمیت دی ہے، اس لیے بھی مسلمانوں نے غیر قوموں کے علمی ورثہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور سیکھا اور اس کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کو ترقی بھی دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مشہور یونانی فلاسفر موجود تھا جس کو انگریزی میں جان اور عربی میں یحییٰ نحوی (۱) کہتے ہیں، یہ شخص مصر کے ایک کلیسا کا پادری تھا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کا اکرام کیا اور اس کی نہایت قدر وعزت کی اور اس کے علم سے مستفید ہوئے۔ یہ شخص علم نجوم (astrology)، منطق (logic)، فلسفہ (philosophy) اور طبیعیات (physics) میں مہارت رکھتا تھا، اس نے بہت سی طبیعیات کی کتابوں کی شرحیں لکھیں، اس کی کتابوں میں سے: **كتاب الرد على بَرْقَلَس"، "كتاب الرد على أرسطاطاليس"، "كتاب الكون والفساد"، "كتاب النبض الصغير"،** وغیرہ ہیں۔

حرملہ بن منذر طائی نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا، وہ بادشاہوں خصوصاً عجمی سلاطین کا وزیر رہ چکا تھا اور ان کی سیرتوں کا بڑا واقف کار تھا، اس وصف کی بنا پر حضرت عثمانؓ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اپنی مجلسوں میں اس کو شریک کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب کہ خلافت کا دائرہ وسیع اور منظم ہو چکا تھا، فارس کی سرحد پر عربی زبان اور صرف ونحو کا مطالعہ شروع ہوا، مسلم وغیر مسلم نے اس فن کے ساتھ خوب دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ پہلی تحریک نومسلموں کی لسانی ضروریات پوری کرنے کی خواہش سے آئی جو قرآن پڑھنا، سرکاری عہدے لینا اور فاتحین کے ساتھ باہم گفت وشنید کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن کی کلاسیکی زبان اور روزمرہ کی بول چال (جو شامی، فارسی اور دیگر زبانوں ولہجوں کی آلائشیں رکھتی تھی) کے درمیان بڑھتا ہوا فاصلہ اس لسانی دلچسپی کو تحریک دینے کا جزوی ذمہ دار تھا۔

عربی صرف ونحو کے بانی ابوالاسود الدؤلی (وفات 69ھ/ 688ء) کی علمی تربیت بصرہ میں ہوئی۔ ابن خلکان کے مطابق حضرت علیؓ نے ان کے لیے قواعد کا بنیادی اصول وضع کیا کہ ''اجزائے کلام تین ہیں: اسم، فعل، اور حرف''، اور انہیں اس موضوع پر مکمل مقالہ لکھنے کی ہدایت کی۔ اس نے بخوبی یہ کام انجام دیا۔ الدؤلی کے بعد ایک اور بصری محقق خلیل ابن احمد نے جو 791ء کے قریب فوت ہوا۔ ابن ندیم کے بیان کے مطابق ''یہ پہلا شخص تھا جس نے ایک عربی لغت کتاب العین مکمل کی اور پہلی دفعہ اس نے عربی علم العروض والقوافی دریافت کیا جو آج بھی رائج ہے'' (۲)۔ اس کے فارسی شاگرد سیبویہ (وفات اندازاً 793ء) نے عربی صرف ونحو کے موضوع پر پہلی منظم نصابی کتاب ترتیب دی جسے احتراماً ''الکتاب'' کہتے ہیں۔ یہ اس موضوع پر تمام مقامی تحقیقات کی بنیاد بن گئی (۳)۔ مازنی کہا کرتے تھے کہ ''جو شخص بھی سیبویہ کی کتاب کے بعد نحو میں کوئی بڑی ضخیم کتاب لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو شرم آنی چاہیے''۔ (۴) (۲) الفہرست، ص: ۶۸ (۳) تاریخ عرب از فلپ کے حتی، ص: ۲۰۶۔ (۴) الفہرست، ص: ۸۰۔

{بقیہ صفحہ ۳۷ پر}۔۔۔۔۔

سیرت وسوانح

دوخوبیوں کی جامع ایک دل آویز شخصیت

مولانا سید محمد ریاض ندوی کھجناوری
رئیس: جامعۃ الحسنین صبری پور

دنیا کے اندر بعض اشخاص وہ ہوتے ہیں جن کی زندگی میں ابتدا ہی سے جدو جہد، کدو کاوش اور قابل رشک کارنامے وجود میں آتے ہیں اور یہ ان کی محنت، خلوص وللّٰہیت اور اپنے کام سے قلبی تعلق کی بنا پر انجام پاتے ہیں جس قدر خلوص کے ساتھ محنت ہوتی ہے اسی قدر وہ قبولیت پاتی ہے اور امت کے لئے نفع بخش ثابت ہوتی ہے کچھ ایسے ہی روشن کارنامے ہمیں حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمیؒ سابق مہتمم جامعہ کاشف العلوم چھٹملپور کی حیات میں نظر آتے ہیں ان کی پوری زندگی دینی وعلمی اور روحانی کاموں میں صرف ہوئی اور ان کی محنت وجانفشانی اور مجاہدات کے بعد مبداء فیاض نے ان کو قبولیت کا پروانہ عطا کر کے ان کو زندہ وجاوید اور ان کے نام وکام کو تابندہ کر دیا۔

آپ کی پیدائش سن 1945ء میں بروز جمعہ ہوئی، ابتدائی تعلیم عاشق رسول، ولی صفت انسان حضرت الحاج میاں جی غلام نبی سے ہوئی اور حفظ قرآن مکمل کیا، اس کے بعد جامعہ کاشف العلوم کے مہتمم ثانی کے ایماء پر آپ نے کاشف العلوم میں داخلہ لیا جہاں آپ نے فارسی وعربی کے ابتدائی درجات تک مکمل توجہ اور محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور یہاں کے بافیض اساتذہ سے کسب فیض کیا، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا یہاں جبال علم وعمل اساتذہ کی جھرمٹ میں قرآن وحدیث کے اسباق اور روحانی شخصیات کے سائے تلے عشق ومحبت اور کردار واخلاق کو سنوارنے میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور وہیں سے فراغت حاصل کی، وہاں سے فراغت کے بعد آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کا آپ کے مادر علمی ہی میں سن 1388ھ میں حضرت مولانا شریف احمد صاحبؒ نے تقرر فرمایا اور اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا۔

انسان کی تخلیق وتولید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان وبیان اور نطق گویائی سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور زبان کی سحر طرازی کا اظہار حدیث نبوی میں بھی درج ہے اگر اس میں خلوص کی آمیزش ہوجائے اسی کو شاعر:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

کہتا ہے، خطابت میں انہیں خاص مقام حاصل تھا، ان کی تقریر عام فہم، انبیاء وصحابہ کے واقعات سے مستنیر اور اکابر کی حیات پر بہار پر روشنی ڈالتی تھی آپ کی خطابت کو جامعہ کاشف العلوم کے بانی وسابق مہتمم حضرت مولانا شریف احمد صاحبؒ نے بھی ایک ہاشم ساجادو بیاں لکھ کر تسلیم کیا، اور مفکر ملت حضرت الحاج مولانا محمد اسلم صاحبؒ بھی آپ کو خطابت کا شہ سوار کہتے تھے جہاں ہم بول کر تھکتے ہیں وہاں سے ان کی تقریر کا آغاز ہوتا ہے۔

بڑے با ادب، مشفق ومحسن اور غمگسار تھے، کام آنے

والے تھے، وہ اپنے عزیز و متعلقین کے یہاں بنا کسی پیشگی اطلاع کے اس لیے جاتے تھے کہ میری وجہ سے کاموں کو چھوڑ کر پریشانی میں مبتلا نہ ہوں اور میرے انتظام میں ان کو خلل نہ ہو اپنے ایک اہل تعلق کے یہاں ان کے گھر اور ادارہ تشریف لے گئے وہ اس وقت مل نہ سکے تھے تو ایک رقعہ پر ایک شعر لکھا:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

اور یہ پرچہ گیٹ کیپر کو دے کر واپس لوٹ گئے، یہ ادائیں وہ تھیں جو اب رہ رہ کر یاد آتی ہیں اور ان اکابرین کی محبت کا چراغ دلوں میں روشن کرتی ہیں، آپ ہمیشہ تواضع کا خوگر بنے رہے، انکساری کا جوہر ان میں نمایاں تھا، من تو اضع للہ رفعہ اللہ عزوجل کی جیتی جاگتی تصویر ان کی شخصیت میں موجود تھی، سفر ہو یا حضر، جلوت ہو یا خلوت، وہ اپنے کو چھوٹا اور معمولی انسان گردانتے تھے اور لبوں پر یہ اشعار رہتے:

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

مدینہ منورہ کے تذکرے پر آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی اور یہ شعر بار بار پڑھتے رہتے:

لوگ سمجھیں گے محروم ووقار و تمکین
تو نہ کہہ دے میری بزم کے قابل نہ رہا

حج کے موقع پر جو آپ کی زبان سے اشعار نکلے وہ بڑے اثر انگیز اور درد لئے ہوئے ہیں۔

یہ ہاشم تمہارا چلا آرہا ہے.....

دارالعلوم ندوۃ العلما میں تعلیم حاصل کرتے وقت اکثر حضرت مولانا محمد اسلم صاحبؒ سے رسم وراہ رہتی تھی آپ کی رحلت کے بعد ان کے خلف الرشید جناب مولانا محمد آصف صاحب ندوی زید مجدہ سے دید وشنید ہوئی اور ساتھ میں ایک مخلص وملنسار شخصیت حضرت مولانا محمد ہاشم صاحبؒ سے بھی تعارف ہوا اس کے بعد قلب میں ان کی محبت جاگزیں ہوگئی اور کاشف العلوم میں ان سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوگیا، اکثر حاضری کا معمول رہتا، بڑی مہمان نوازی فرماتے، بزرگان دین کے واقعات و مشاہدات کا ذکر فرماتے، حالات پر گفتگو فرماتے، اپنے خلفاء کی خبر گیری کرتے ان کے کام اور احوال دریافت کرتے ضلع سہارن پور کے اکثر مدارس میں سالانہ اجلاس کے مواقع پر آپ کی شمولیت قابل تبریک ہوتی اخیر عمر میں اسفار کم کر دیئے تھے ورنہ جد وجہد بھاگ دوڑ میں آپ نے کبھی سرد وگرم کی پرواہ نہ کی، مختلف مدارس وتنظیموں کی سرپرستی فرمائی اور بہترین خدمات پیش کی یہاں صبری پور میں واقع ہمارے ادارہ جامعۃ الحسنین کے سالانہ اجلاس اور تعلیمی بیداری کانفرنس کے موقع پر تشریف فرما ہوئے خطاب سے نوازا اور اس نوزائد ادارے کے تعلیمی احوال جان کر خوشی کا اظہار فرمایا۔

بچپن جوانی اور بڑھاپا ایک دینی وتعلیمی تحریک پر قربان کرنے والے کا نام حضرت مولانا محمد ہاشمؒ تھا وہ اپنے بچپن ہی میں کاشف العلوم میں آگئے، جوانی یہیں گزری، بڑھاپے میں اسی کی ترقی اور علوم نبوی کی اشاعت میں صرف ہوئے اب ان کے کام کو ان شاء اللہ العزیز ان کے روحانی خلفاء آگے بڑھائیں گے جو بڑی تعداد میں اور اعلی مقام پر فائز ہیں۔

بچپن کی تربیت، بزرگان دین سے پیوستہ تعلقات نے ان کو انسانی خصوصیات وامتیازات کا مرقع بنایا تھا اور کچھ خوبیاں ان کی شخصیت میں ﴿بقیہ صفحہ ۲۹ پر﴾۔۔۔۔۔

فکرونظر

انحصار سے خودمختاری کی طرف

مولانا محمد وثیق ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

اس وقت پوری دنیا ایک نازک اور فیصلہ کن مرحلے سے گزر رہی ہے، بالخصوص مشرق وسطی ایسے سنگین بحران سے دوچار ہے جس کے اثرات محض چند ممالک یا ایک خطے تک محدود نہیں رہیں گے، بلکہ عالمی سیاست، معیشت، توانائی اور بین الاقوامی تعلقات کے پورے نظام کو متاثر کر سکتے ہیں۔ مشرق وسطی میں امریکہ واسرائیل اور ایران کے درمیان جاری جنگ نے خطے کے امن و استحکام کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے اور شدت سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا وہ قومیں جو اپنی سلامتی، معیشت اور دفاع کے لیے دوسروں پر غیر معمولی انحصار کرتی ہیں، واقعی اپنی آزادی اور خودمختاری کی حفاظت کر سکتی ہیں؟ خلیجی ممالک پر ڈرونز، بیلسٹک میزائلوں، بمبار جہازوں اور دیگر فوجی ذرائع سے ہونے والے حملوں نے بنیادی ڈھانچے، تیل صاف کرنے کے مراکز، گیس تنصیبات، شمسی توانائی کے منصوبوں اور دیگر اہم مراکز کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ بندرگاہوں، ہوائی اڈوں اور شہری خدمات کے مراکز کو نشانہ بنائے جانے سے خطرے کی نوعیت مزید واضح ہوگئی ہے۔ یہ محض محدود فوجی کارروائیاں نہیں، بلکہ ان کے پس پشت وسیع تر تزویراتی اہداف بھی کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔

مشرق وسطی کی موجودہ صورت حال سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ امریکہ یا تو عرب ملکوں کو دھوکا دینے میں کامیاب رہا ہے یا پھر ان کے دفاع سے عاجز آچکا ہے، ایک زمانے میں امریکہ ملکوں اور قوموں کو دھمکی دیتا تھا کہ اگر انہوں نے اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا تو انہیں بھیانک انجام کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امریکی صدر یہ دعویٰ بھی کیا کرتے تھے کہ امریکہ بیک وقت سات سے زیادہ ممالک سے جنگ لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے پاس ایسی فوجی طاقت موجود ہے جو اس اقدام کے لیے کافی ہے۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکی قیادت اپنی جدید عسکری طاقت اور اس اعتماد کے نشے میں مبتلا تھی کہ کوئی اس کا مقابلہ کرنے اور اس کے سامنے مزاحمت کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ لیکن موجودہ جنگ نے اس خود اعتمادی کے پردے کو چاک کر دیا ہے، اس نے امریکہ کی کمزوری اور اس کے عزائم کی ناکامی کو نمایاں کر دیا ہے جن کے ذریعے وہ ایران میں رجیم چینج کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ امریکہ کے موقف میں کمزوری، تذبذب اور پسپائی کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔ بالخصوص عرب ممالک کے دفاع کے معاملے میں اس کی بے بسی آشکارا ہو چکی ہے؛ حالاں کہ یہی ممالک امریکہ کو کروڑوں ڈالر ادا کرتے رہے ہیں، اس سے جدید ترین اسلحہ خریدتے رہے ہیں اور اپنی سرزمین پر امریکی فوجی اڈوں کے قیام کے لیے جگہ فراہم کرتے رہے۔ موجودہ جنگ نے عرب ممالک کے دفاعی نظام، راڈار سسٹم اور خفیہ اطلاعات کے پورے ڈھانچے کی کمزوری اور ناکامی کو بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ چنانچہ حملوں کا سلسلہ جاری ہے، جانی و مالی نقصانات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، املاک اور بنیادی ڈھانچے کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے اور عالمی معیشت بھی تباہی کے خطرے سے دوچار ہوتی جا رہی ہے؛ بالخصوص اس وقت جب آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی یا اس سے گزرنے والے تجارتی جہازوں کو تباہ کرنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔

عالمی ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں کے مطابق خلیجی ممالک کے امن و استحکام کو متزلزل کرنے، عرب و اسلامی دنیا میں تنازعات کو ہوا دینے اور وہاں بدامنی وانتشار پھیلانے کے لیے مغربی اور اسرائیلی منصوبہ بندی کے شواہد سامنے آرہے ہیں۔ مشرق وسطی کے عرب ممالک اس جنگ کو اپنے وجود کے لیے ایک خطرہ تصور کر رہے ہیں۔ خطے کو نشانہ بنائے جانے کا تعلق محض اس کے جغرافیائی محل وقوع سے نہیں، بلکہ اس حیثیت سے بھی ہے کہ وہ عالمی توانائی کا ایک بنیادی مرکز اور مشرق ومغرب کے درمیان ایک نہایت اہم تجارتی گزرگاہ اور سپلائی چین ہے۔ بین الاقوامی سیاسی مبصرین اور جغرافیۂ سیاسی کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ان تمام حالات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ امریکہ کمزوری اور پسپائی کی حالت سے دوچار ہے اور وہ اپنی عالمی حیثیت وقوت بتدریج کھو رہا ہے۔ لہٰذا جو ممالک امریکہ پر تکیہ

کیے ہوئے ہیں، انہیں اپنی امریکی پالیسی پر از سرنو غور کرنا چاہیے، خطے کی موجودہ صورت حال عرب ملکوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ اپنی پالیسیوں کی از سرنو تشکیل کریں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں خودمختاری اور خود کفالت کی راہ اختیار کریں۔

مغرب کے ساتھ تلخ تجربات کا تقاضا ہے کہ عرب و اسلامی دنیا کے حکمران اپنے مسائل اور بحرانوں کے حقیقی اسباب کو پہچانیں اور ایک باشعور اور دانشمندانہ موقف اختیار کریں، ایسا موقف جو فکری بصیرت اور اصالت پر قائم ہو، نہ کہ نری نقالی، تقلید اور ان قوتوں کی تابع داری پر جنہوں نے ان کے مسائل اور مصائب میں اضافہ کیا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ عرب ممالک کے پاس نہ کوئی متحدہ عسکری قوت ہے، نہ اپنی جنگی صنعت، نہ خاطر خواہ مقامی دفاعی پیداوار، حالانکہ ان کے پاس اس مقصد کی صلاحیت اور وسائل دونوں موجود ہیں۔ ان کے پاس بے پناہ معدنی ذخائر، تیل و گیس کے وسیع چشمے، اہم آبی گزرگاہیں اور عالمی سیاست میں غیر معمولی تزویراتی اہمیت رکھنے والے جغرافیائی مقامات موجود ہیں؛ لیکن اس کے باوجود انہوں نے خودمختاری اور اپنی داخلی قوتوں پر اعتماد کے بجائے ان طاقتوں کی پیروی اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا راستہ اختیار کیا ہے جو ان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتی ہیں اور انہیں اپنی زندگی، ترقی اور قوت کے حقیقی سرچشموں سے استفادہ کرنے سے روکتی ہیں۔

خطے کے موجودہ حالات اور فوجی کارروائیوں کے پس منظر میں اب ایک مشترکہ فوج اور مشترکہ دفاعی نظام کے قیام کی آوازیں بھی بلند ہونے لگی ہیں۔ قطر کے سابق وزیر اعظم اور سابق وزیر خارجہ حمد بن جاسم بن جبر آل ثانی نے خلیجی تعاون کونسل کے ممالک سے فوری اقدام کرتے ہوئے ایک مشترکہ دفاعی ڈھانچہ قائم کرنے کی اپیل کی ہے، جو اجتماعی سلامتی کو مضبوط بنائے اور خطے کو درپیش موجودہ چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔ حمد بن جاسم نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر اپنے سرکاری اکاؤنٹ کے ذریعے کہا کہ ایک مضبوط خلیجی دفاعی فوجی اتحاد کا قیام اب ناگزیر ضرورت بن چکا ہے، جو عالمی سطح کے بڑے دفاعی اتحادوں، بالخصوص "نیٹو" کی طرز پر خلیجی ممالک کے مشترکہ دفاع اور سلامتی کو یقینی بنا سکے۔ ان کے مطابق اس اقدام کا مقصد خلیجی ممالک کے مفادات کا تحفظ، ان کی دفاعی صلاحیتوں کو مستحکم کرنا اور مستقبل میں کسی بھی ممکنہ خطرے کا مؤثر مقابلہ کرنا ہے۔ انہوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ موجودہ عسکری بحران کو محض ایک تباہ کن واقعے کے طور پر نہیں، بلکہ اس سے اہم تزویراتی سبق لینے کے ایک موقع کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ سب سے اہم سبق خلیجی ممالک کے مابین اتحاد، داخلی اختلافات سے بالاتر ہو کر مشترکہ مفادات کو ترجیح دینا اور خطے کے استحکام کے لیے اجتماعی حکمتِ عملی اختیار کرنا ہے۔ حمد بن جاسم نے ترکی اور پاکستان جیسے ممالک کے ساتھ تزویراتی شراکت داری کو مزید مستحکم کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیا، تاہم اس کے ساتھ یہ بنیادی نکتہ واضح کیا کہ خلیجی ممالک کو اپنے مشترکہ دفاعی نظام کی تعمیر میں سب سے بڑھ کر اپنی داخلی صلاحیتوں، اپنے وسائل اور اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کرنا ہوگا۔ یہی وہ راستہ ہے جو وابستگی اور انحصار سے خود اعتمادی، اور دوسروں کے سہارے سے خودمختاری کی طرف لے جاتا ہے۔ موجودہ بحران شاید عرب و اسلامی دنیا کے لیے یہ فیصلہ کن سبق لے کر آیا ہے کہ قومی سلامتی، سیاسی خودمختاری اور اجتماعی بقا کا حقیقی تحفظ دوسروں کے وعدوں سے نہیں، بلکہ اپنی قوت، اپنے اتحاد، اپنی صلاحیت، اپنے وسائل پر اعتماد اور پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہونے سے ممکن ہے۔

حالیہ دنوں میں سعودی عرب، ترکیہ اور پاکستان کے درمیان "مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ" کو اس سمت میں مفید پہل کے طور پر دیکھا جا رہا ہے، یہ ایک ایسا اقدام ہے جس کا مقصد دفاعی تعاون کو فروغ دینا اور اجتماعی روک تھام کے نظام کو مضبوط بنانا ہے، جس سے علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر امن و استحکام کو تقویت ملے۔ اس معاہدے پر دستخط ۲ اگست ۲۰۲۶ء، بروز جمعہ "مکہ مکرمہ مشترکہ دفاعی سربراہی اجلاس" کے دوران ہوئے، اجلاس میں تینوں ممالک کے رہنما (ترکی کے صدر رجب طیب اردوان، سعودی ولی عہد و وزیر اعظم شہزادہ محمد بن سلمان اور پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف) شریک ہوئے۔ مشترکہ اعلامیہ کے مطابق "معاہدہ تینوں ممالک کے گہرے تاریخی تعلقات، دیرینہ برادرانہ روابط، اسلامی یکجہتی، مشترکہ تزویراتی مفادات اور مضبوط دفاعی تعاون کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے۔" مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ "تینوں ممالک اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی ایک ریاست کے خلاف مسلح حملے کو تینوں ریاستوں کے خلاف حملہ تصور کیا جائے گا۔" اعلامیہ کے

مطابق ''اس معاہدے کا مقصد کسی بھی جارحیت کے خلاف مشترکہ دفاعی صلاحیت کو مضبوط بنانا، عسکری تعاون کو وسعت دینا اور خطے میں امن، سلامتی اور استحکام کو فروغ دینا ہے۔''

''باہمی یکجہتی''، ''آپسی تعاون'' اور ''اتحاد'' ملت اسلامیہ کا نمایاں وصف رہا ہے، اسی اتحاد اور یکجہتی کی بدولت مسلمانوں نے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا، مختلف جنگوں، بالخصوص صلیبی جنگوں کا مقابلہ کیا، خود ان کے دشمنوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ مسلمان خواہ کتنے ہی باہم منتشر کیوں نہ ہوں، جب کوئی دشمن ان پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ متحد و یکجا ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور ان کے باہمی اختلافات پس پشت چلے جاتے ہیں۔ یہی اتحاد و یکجہتی صلیبی جنگوں میں صلیبی طاقتوں کی شکست کا ایک بنیادی راز تھا۔

لیکن یہ مقصد خود انحصاری و خود مختاری کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور خود مختاری کی طرف واپسی تعلیم و تربیت کے مؤثر نظام کے ذریعے ہی ممکن ہے، جب تک یہ دونوں شعبے ایسے مخلص اور باوفا افراد کے ہاتھوں میں منتقل نہیں ہوجاتے جو عرب و اسلامی دنیا کے حقیقی مفادات کے وفادار ہوں، مسلم دنیا کی موجودہ صورت حال میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نے اپنے ایک مضمون میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس لیے مغربی دنیا اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ تعلیم اور تربیت کے یہ دونوں ذرائع انہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہیں جو اس کے ساتھ تعاون کرتے ہوں، اس کے فرامین اور خواہشات کو نافذ کرتے ہوں اور اس کے مفادات کی خدمت کرتے ہوں۔ یہ تبدیلی صرف نفوس کی تربیت، اس کے لیے اندرونی اور عوامی سطح پر ایک سازگار ماحول پیدا کرنے، صبر و حکمت، غور و فکر اور باہمی اتحاد کے ذریعے ہی ممکن ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اسلامی امت کو منتشر اور اس کی شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کرتی ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عرب ممالک اپنی تجارت، مالیاتی نظام، صنعتی پیداوار اور دفاعی ساز و سامان کی تیاری میں آزاد اور خود کفیل ہوں اور اپنی بنیادی ضروریات کے لیے دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اسی خود مختاری کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے:

''عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت و حرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انہی چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں، اپنی تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، مشینیں، آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔''

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے، جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے، وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے، اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کا استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے، عالم عربی کے لیے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے، زندگی کا خون اس کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اس کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انہیں کے سپرد ہوں، عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم، درآمد برآمد، قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور مشینوں اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو، ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت، فنی مہارت و دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں''۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، صفحہ: ۳۱۵و۳۱۶)

(بشکریہ تعمیر حیات، بابت ۲۵/اگست، ۱۰/ستمبر ۲۰۲۶ء)

☆☆☆☆☆☆

تبصرہ

مقالات ومشاہدات

ایک طالب علم کا مطالعہ

محمد عبداللہ بن مسعود عزیزی ندوی

طالب: عالیہ ثالثہ شریعہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)

کچھ کتابیں صرف معلومات ہی فراہم نہیں کرتیں، بلکہ مصنف کے افکار ونظریات، اس کی فکر وسوچ، اس کے مزاج وطبیعت اس کا جذبہ درون، نیز یہ کہ اس کے اندر امت کے لیے، معاشرے کے لیے اور ملک وملت کے لیے کچھ کرگزرنے کا جو حوصلہ اور جذبہ ہوتا ہے، اس کی عکاسی بھی کرتی ہیں۔

اسی انداز کی ایک کڑی والدِ بزرگوار ''مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب'' کی کتاب ''مقالات ومشاہدات'' کے نام سے موسوم ہے، جس میں زمانۂ طالبِ علمی سے لے کر عملی زندگی تک، اور پھر اس کے بعد کے دور کے بعض اہم مقالات کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ وہ تحریریں ہیں جو مختلف مناسبتوں سے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

ان مقالات میں نہ صرف رسمی معلومات فراہم کی گئی ہیں، بلکہ اسلامیات، اخلاقیات، اصلاحیات وحقائق وبعض معاشرتی مسائل اور ان کے حل کو ایک منفرد اور مؤثر اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔

زبان وادب کے حوالے سے اردو زبان کی مختصر تاریخ بھی بیان کی گئی ہے، نیز ملکِ ہند کو سامراجی حکومت سے پاک کرنے کے لیے انجام دی جانے والی خدمات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔،

پھر بیچ میں کہیں کہیں آپ کے تجربات ومشاہداتِ زندگی کا بھی تذکرہ ہے، بلکہ ان سے ملنے والے اسباق کو بھی خاص ومؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

موضوعات کے حساب سے ابواب کی ترتیب کچھ یوں بنتی ہے:

باب اول: ماہنامہ ''نقوشِ اسلام'': آغاز واغراض ومقاصد، ابتدائی سالوں میں پیش آنے والے واقعات وتاثرات، نیز خواص وعوام کے حلقوں میں اس کی رسائی پر شکر وسپاس۔

باب دوم: دین اسلام میں مہینوں کی اہمیت وفضیلت نیز بنیادی فرائض کا تذکرہ، مثلاً حج ورمضان کے مسائل واحکام۔

باب سوم: خطابت وصحافت کے اصول ومبادی، نیز معروف ومشہور خطباء اور صحافیوں کی خصوصیات اور ان کا اسلوب۔

باب چہارم: اردو زبان وادب کی مختصر تاریخ اور اس کے عروج وزوال پر ایک حقیقت پسندانہ بحث۔ مزید یہ کہ اردو زبان کے مشہور قلم کاروں کے اسلوبِ تحریر وخطابت پر گفتگو، اور ہندوستان کو سامراجی حکومت سے پاک کرنے میں اردو زبان وادب کی متنوع خدمات کا تذکرہ۔

باب پنجم: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصوں کا قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان، خصوصاً حضورِ اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کے ادبی پہلو اور خواتین سے متعلق گفتگو، احادیث کی روشنی میں۔

باب ششم: قضیۂ فلسطین اور بعض اسلامی واصلاحی تحریکوں کا پس منظر، تاریخ کی روشنی میں، جیسے ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند اور فتنۂ قادیانیت وغیرہم۔

باب ہفتم: محاسنِ اسلام، شعائرِ دین، خاص طور پر اسلام

میں عورت کا مقام، نیز پردے کی اہمیت وافادیت۔

الغرض، ''مقالات ومشاہدات'' محض مختلف موضوعات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی فکری وعلمی کاوش ہے جس میں مصنف کے وسیع مطالعے، گہرے مشاہدے، دینی وابستگی، تاریخی شعور اور اصلاحی فکر کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ کتاب کے مختلف ابواب سے گزرتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے عہد کے اہم دینی، علمی، ادبی اور معاشرتی مسائل کو نہ صرف قریب سے دیکھا ہے، بلکہ ان پر غور وفکر کر کے اپنے تجربات اور نتائجِ مطالعہ کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

میرے نزدیک اس کتاب کی اصل قدر یہی ہے کہ اس میں مصنف کی شخصیت کے مختلف پہلو ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں؛ ایک طالبِ علم کی جستجو، ایک عالم کی دینی بصیرت، ایک قلم کار کی فکری پختگی، ایک صحافی کی حالات پر گہری نظر اور ایک مصلح کا امت ومعاشرے کی اصلاح کا درد۔ ''مقالات ومشاہدات'' اسی لیے محض پڑھی جانے والی کتاب نہیں، بلکہ غور و فکر کے ساتھ سمجھی جانے والی کتاب ہے؛ ایسی کتاب جس کے اوراق پلٹتے ہوئے قاری کو معلومات کے ساتھ ساتھ تجربات، مشاہدات اور زندگی کے قیمتی اسباق بھی میسر آتے ہیں۔

یہ کتاب ''**مرکز احیاء الفکر الاسلامی**'' مظفرآباد ضلع سہارنپور، یوپی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

رابطہ کانمبر: 9719831058

ڈیسینٹ اکیڈمی مظفرآباد سہارنپور اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ

زمانہ بجلی کی رفتار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے، ترقی کی اس دوڑ میں بچوں کی فطری صلاحیتوں کو پہچان کر کم وقت میں پلاننگ کے ساتھ دینی ماحول میں دی گئی تعلیم ہی دین ودنیا میں کامیابی کی ضامن بن سکتی ہے، اس لئے ڈیسینٹ اکیڈمی لایا ہے:

۱- چار سالہ حفظ القرآن پروگرام، جس کا مقصد بچوں کو دینی ماحول کے اندر حفظ کے ساتھ ساتھ انگریزی میڈیم میں آٹھویں جماعت تک کی تعلیم دینا ہے، جس کے بعد بچہ انگریزی تحریر وتکلم پر مضبوط گرفت، تلاوت قرآن میں قواعد کی رعایت اور حفظ کی پختگی کے ساتھ ساتھ اسلامیات، سائنس، میتھ، جغرافیہ جیسے عصری مضامین پر عبور حاصل کر سکے گا۔

۲- چار سالہ حفظ القرآن پلس پروگرام جو خاص طور سے حافظ بچوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جس کا مقصد دینی ماحول میں ایمان و عقائد کی مضبوطی کے ساتھ انگریزی میڈیم میں بارہویں تک کی تعلیم دینا اور ساتھ ساتھ نیٹ (NEET)، کلیٹ (CLAT) سی یو ای ٹی (CUET)، ودیگر مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کرا کر ڈاکٹر، انجینئر، وکیل بننے کی راہ ہموار کرنا ہے۔

نوٹ: قیام وطعام کے ساتھ دینی تربیت کا خصوصی انتظام

پتہ: ڈیسینٹ اکیڈمی مظفرآباد سہارنپور یوپی

زیر انتظام: مرکز احیاء الفکر الاسلامی

Contact: +91-7703902672, +91-9540393388, +91-9719831058

مطبوعات

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

۱-مختصر تجوید القرآن (۲/روپے)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (۲۰/روپے)
۳-جیب کی تجوید (۱۰/روپے)
۴-رہنمائے سلوک وطریقت (۳۰/روپے)
۵-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (۲۰/روپے)
۶-مکتوبات اکابر (۵۰/روپے)
۷-حیات عبدالرشید (۲۰۰/روپے)
۸-بزرگان رائے پور (۵۰/روپے)
۹-افکار دل (۲۰۰/روپے)
۱۰-التدخین بین الشرع والطب (۵۰/روپے)
۱۱-مقالات ومشاہدات (۶۰/روپے)
۱۲-اللہ ورسول کی محبت (۲۰/روپے)
۱۳-امامت کے احکام ومسائل (۶۰/روپے)
۱۴-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ (۵۰/روپے)
۱۵-ساز دل (۱۰۰/روپے)
۱۶-تصوف اور اکابر دیوبند (۴۰/روپے)
۱۷-میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام (۵۰/روپے)
۱۸-درد دل (۱۰۰/روپے)
۱۹-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (۱۰۰/روپے)
۲۰-حیات شیخ الحدیث (۵۰/روپے)
۲۱-گذرگاہیں (۶۰/روپے)
۲۲-عقائد اور ارکان اسلام (۲۰/روپے)
۲۳-سیرت نبی اکرم ﷺ (۳۰/روپے)

۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۷۰/روپے)
۲۵-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۹۰/روپے)
۲۶-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (۱۵۰/روپے)
۲۷-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۰/روپے)
۲۸-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ (۳۰/روپے)
۲۹-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ (۸۰/روپے)
۳۰-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۳۰/روپے)
۳۱-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۵۰/روپے)
۳۲-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۱۰۰/روپے)
۳۳-کامیابی کے اصول اور اللہ کے مقبول بندے (۳۰/روپے)
۳۴-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول (۳۰/روپے)
۳۵-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت (۳۰/روپے)
۳۶-فقہ حنفی کے مراجع اور انکی خصوصیات (۳۰/روپے)
۳۷-القادیانیۃ ثورۃ علی النبوۃ المحمدیۃ (۳۰/روپے)
۳۸-الامامۃ فی الصلوۃ ومسائلہا واحکامہا (۸۰/روپے)
۳۹-ریاض البیان فی تجوید القرآن (۵۰/روپے)
۴۰-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (۲۰۰/روپے)
۴۱-ماں باپ اور اولاد کے حقوق (۳۰/روپے)
۴۲-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۳۰/روپے)
۴۳-اسلام میں پردہ کی اہمیت (۳۰/روپے)
۴۴-سیرت النبی الاکرمؐ (عربی) (۳/روپے)
۴۵-میری والدہ مرحومہ (۴۰/روپے)
۴۶-دوآب دار موتی (۳۰/روپے)

۴۷-یتیموں کی کفالت (۳۰/روپے)
۴۸-التحریر السدید لما للشیخ محمد مسعود لعزیزي الندوي من اتصالات واسانید (۱۰۰/روپے)
۴۹-الفرائد فی عوالی الاسانید وغوالی الفوائد (۲۰۰/روپے)
۵۰-حیاۃ الشیخ الازہری (۲۵۰/روپے)
۵۱-الدر الفرید فی اختصار عوالی الاسانید (۵۰/روپے)
52- Rules of Raising Funds
53- Beliefs and Pillars of islam (Rs.20)
54- The Laws Pertaining to Imamat (Rs.100)
55- The Rights of Perents and children (Rs.20)
56- Guidelines for Sulook and Tareeqat(Rs.80)
57- Tasawwuf and tha Elders of Deoband (Rs.40)
58-A Biogrophy of the Noblest Nabi (Rs.50)
59- Life Sketch of Hadhrat Thanwi (Rs.40)
60- My Sheikh and Spiritual Guide (Rs.40)
61- Importance of Hijab in islam (Rs.30)

ملنے کا پتہ: مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058